Title – RUBAIYAAT MEHROOM.

Creator – Trilok chand Mehroom.

Publisher – Maktaba Jamia (Delhi)

Date – 1971

Pages – 384

Subjects – Urdu shayari – Rubaiyaat.
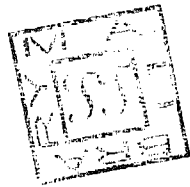
رباعیات محروم

مخدوم میموریل سوسائٹی کا سلسلۂ مطبوعات — نمبر ۳

مرتب: جگن ناتھ آزاد

رباعیاتِ محروم

محروم

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

شاخ دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

اُردو بازار۔ دہلی ۶

شاخ بمبئی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ جے جے ہسپتال بمبئی

پہلی بار سنہ ۱۹۴۷ء

دوسری بار سنہ ۱۹۵۴ء

تیسری بار سنہ ۱۹۷۱ء

قیمت نو روپے

دہلی

کوہ نور پرنٹنگ پریس لال کنواں

فہرستِ مضامین

حرفِ آغاز

شغلِ بے جا نہیں سخن آرائی
قدرت کی اگر ہو یہ کرم فرمائی
آغاز اُسی کے نام پر ہے جس نے
بخشی ہے مُشتِ خاک کو گویائی

دادِ سخن

ہے داد کا مستحق کلامِ محروم
لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہے اُن کا سخن مفید و دانش آموز
اُن کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم

اکبر الہ آبادی

شکریۂ دادِ سخن

طبعِ موزوں خُدائے برتر سے ملی
تاثیرِ کلام قلبِ مُضطر سے ملی
آیا مجھ کو یقیں کہ شاعر ہوں میں
جب دادِ سُخن جنابِ اکبر سے ملی

محروم

دیباچہ طبعِ اوّل

فارسی شاعری میں رُباعی بہت پُرانی چیز ہے۔ عروضیوں نے تو اس کی بحر کو عربی اوزان سے نکالا ہے لیکن جدید تحقیقات نے یہ عقیدہ پیدا کر دیا ہے کہ رُباعی کا وزن اسلامی زمانے سے پہلے کا ہے۔ اِس عقیدے کو کوئی مانے یا نہ مانے بہرحال یہ مُسلّم ہے کہ رُباعی خالص ایرانی چیز ہے۔ وہ ایران ہی میں پیدا ہوئی اور وہیں اُس نے پرورش پائی، اِس کا نام اگرچہ عربی نام ہے، لیکن یہ نام اُسے بہت بعد کے زمانے میں دیا گیا۔

تیسری چوتھی صدی ہجری کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ رُباعی کو اُس زمانے میں ترانہ کہتے تھے" اور بالعموم اُسے گانے کے لئے تصنیف کیا جاتا تھا۔ جیسے

آج کل ٹھمری یا گیت، موسیقی میں وہ بہت مقبول چیز تھی۔ لیکن فارسی شاعری میں رفتہ رفتہ اس میں ایسی وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوئی کہ قصیدہ اور مثنوی تو درکنار، غزل بھی اُس کے سامنے ناچیز ہو کر رہ گئی۔ مدح و ذم، عشق و تصوّف، مذہب و اخلاق اور پند و نصائح کے مضامین جس خوش اسلوبی، دل فریبی اور اختصار کے ساتھ فارسی رُباعی میں ادا ہوئے ہیں وہ کسی دوسری شکل میں ادا نہیں ہو سکے۔

اُردو میں اگرچہ شاعری کے دوسرے شعبوں نے بے انتہا ترقّی کی، لیکن رُباعی کو وہ رُتبہ نصیب نہ ہوا جو اُسے فارسی میں حاصل تھا، فارسی میں بیسیوں ایسے شاعر گزرے ہیں جنھوں نے محض رُباعی گوئی کی بدولت لازوال شہرت حاصل کی، شیخ ابو سعید، خیّام، افضل کاشانی، سحابی اور سرمد کی عالم گیر شہرت صرف رُباعی کی بنا پر ہے۔ لیکن اُردو میں کسی ایسے شاعر کا نام نہیں لیا جا سکتا، اور جہاں تک مجھے علم ہے مولانا حالؔی اور اکبرؔ الٰہ آبادی کے سوا کسی اور اُردو شاعر کا مجموعۂ رُباعیات شائع ہو کر مقبولِ عام نہیں ہوا۔

بڑی خوشی کا مقام ہے کہ اب "رُباعیاتِ محروم" کی اشاعت سے اُردو شاعری اور خصوصاً اُردو رُباعیوں کے ذخیرے میں ایک گراں قدر

اضافہ ہو رہا ہے ۔ جنابِ محروم کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ۔ اُن کا شمار اب ملک کے نامور اساتذۂ سخن میں ہے ۔ اُن کے کلام کی پختگی اور زبان کی دلآویزی اُردو ادب کے ہر شیدائی سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے ۔ محروم کا نام ہی اِس امر کی کافی ضمانت ہے کہ اُن کا یہ جدید مجموعۂ رباعیات قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کی چیز ہے ۔

رُباعیاتِ محروم کا شاعرانہ معیار بہت بلند ہے ۔ فلسفۂ اخلاق، مذہب، اور روحانیت کے وہ نکتے جنھوں نے فارسی رُباعیوں کو اس قدر پُر معنی بنایا، اِن میں جا بجا ملتے ہیں ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

دروازہ نجات کا بیاباں میں نہیں
دل کا آرام قصر و ایواں میں نہیں
تسکیں جنّت میں بھی نہیں مل سکتی
جب تک موجود قلبِ انساں میں نہیں

دُنیا نے عجب رنگ جما رکھا ہے
ہر اک کو غلام اپنا بنا رکھا ہے
پھر لُطف یہ ہے کہ جس سے پُوچھو وہ کہے
اِس عالمِ آب و گِل میں کیا رکھّا ہے

دم اکثر پارسائی کا بھرتا ہے
حیراں ہوں کہ دل مرا یہ کیا کرتا ہے
خوف اس کو گناہ سے نہیں ہے لیکن
الزامِ گناہ سے بہت ڈرتا ہے

اِنکارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں
تکرارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں
حاصل ہو ثوابِ مفت اِس لالچ میں
اقرارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں

ظاہر میں قضا بہت ستم ڈھاتی ہے
جاں سُن کے اجل کا نام ڈر جاتی ہے
لیکن ہر موت کا نتیجہ ہے حیات
ہر شام پیامِ صبحِ نَو لاتی ہے

بدخواہ نہیں خالقِ اکبر اپنا
غائب ہو کر بھی ہے وہ رہبر اپنا
ہم خود ہیں بُرے تو ہے مقدّر بھی بُرا
اچھے ہیں تو اچھا ہے مقدّر اپنا

اِدبار کا گھر کہ جائے اِقبال ہے دہر
جیسا نظر آتا ہے بہر حال ہے دہر
کیوں زشتیِ دہر پر ہے برہم اِتنا
ناداں ترا آئینۂ اعمال ہے دہر

آئینۂ دل کو گردِ کیں سے رکھ صاف
کر دے اہلِ ریا کے کینوں کو معاف
دُنیا میں نہ کر کسی سے بے انصافی
دُنیا سے مگر نہ رکھ اُمیدِ انصاف

محروم کو اپنی زندگی میں بہت سے جانکاہ صدمے دیکھنے پڑے ہیں۔ جن کی بدولت

اظہار یاس و الم اُن کے کلام کا ممتاز جوہر بن گیا ہے، رُباعیات میں بھی بعض جگہ اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

درکار جگر تھا زخم کاری کے لیے!
تیاّر نہ تھا جگر فگاری کے لیے
محرومؔ! خوش اُس کو کس طرح میں کرتا
جو عمر ملی تھی سوگواری کے لیے

حیراں ہوں کیا کیا غذا یا میں نے
بے فائدہ عمر کو گنوایا میں نے
پیری بھی قریبِ خاتمہ آپہنچی
منزل کا نشاں ابھی نہ پایا میں نے

کب کوئی جہاں میں چھوٹتا ہے غم سے
دل آخرِ کار ٹوٹتا ہے غم سے
صدمات سے کھلتی ہیں بشر کی آنکھیں
پھوڑا غفلت کا پھوٹتا ہے غم سے

محرومؔ کی رُباعیاں اُن کی ادھیڑ عمر کا کلام ہیں۔ اس لئے اِن میں عشقیہ یا ظریفانہ عنصر موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نئی تہذیب خصوصاً فرقۂ نسواں کی بے حجابی اور بے باکی پر نفریں کی ہے۔ لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ نوجوان طبقے کے لیے اُن کے خیالات قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ صرف وقت کی تاثیر ہے۔ اخلاق اور حکمتِ عملی کی جو صداقتیں انھوں نے بیان کی ہیں خواہ کسی کو

اچھی لگیں یا نہ لگیں، لیکن آخرِ کار ہر صورت میں وہی انسانی زندگی کا دستورالعمل بنتی ہیں
کوئی شک نہیں کہ جنابِ محروم کی رُباعیاں اُن کے دوسرے کلام کی طرح
بہت جلد دلوں کو مسخّر کریں گی۔

محمد اقبال

اورینٹل کالج، لاہور

۲۵۔اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

دیباچۂ طبعِ ثانی

علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی

رُباعی ایسی صنف ہے جو تخیّل کی بُلندی اور بیان کی پختگی چاہتی ہے۔ اسی وجہ سے عموماً اس کی طرف کم توجّہ ہوتی ہے۔ یہ کہنا تو ٹھیک ہے کہ جیسے رُباعیوں کے مجموعے فارسی میں ملتے ہیں، ایسے اور اتنے مجموعے اُردو میں نہیں نظر آتے۔ لیکن کہنے والا یہ بھول جاتا ہے کہ فارسی اور اُردو کی عُمروں میں کتنا فرق ہے۔ پھر بھی اُردو نظم کا ذخیرہ رُباعی کے مجموعوں سے خالی نہیں۔ میر انیس نے بہت رُباعیاں کہیں، اور ایسی کہیں کہ رُباعی کہنے کا حق ادا کیا۔ اُن کے ہاں اکثر چوتھا مصرع رُباعی کو چوتھے آسمان پہ پہنچا دیتا ہے۔ حالؔی مطلب سے

مطلب رکھتے تھے۔ اُن کی رُباعیاں اُن کے اصلاحی مفہوم کی پوری عکاسی کرتی ہیں۔ اکبر اپنے رنگ میں چوکھے ہیں۔ رُباعیوں کے دو اور مجموعے اس صدی میں شائع ہوئے ہیں، جو بہت قابلِ قدر ہیں۔ ایک کے مُصنّف رواں لکھنوی ہیں اور دوسرے کے اثر صہبائی۔ ان کے ہاں شباب کے ولولے، جذبات کی بے تابی کے ساتھ حُسنِ ادا اور خیالات کی بلندی بھی موجود ہے۔ اب جناب محروم کی رُباعیات کا مجموعہ شائع ہوتا ہے۔

محروم صاحب دُنیائے ادب میں تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ اُردو ادب کی دُنیا میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔ جس کی وقعت اور عظمت سب کو تسلیم ہے۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر اور آپ کا تخیّل بلند و مستحکم اور بیان دل کش ہے۔ آپ کا شمار اُن اساتذہ میں ہے جن کی غائر نظر حال اور مستقبل تک پہنچتی ہے۔ آپ کے کلام کی پختگی اور اسلوب کی دل آویزی ملک کے نقّادوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ آپ کی ذہنیت، توازن اور آپ کا شعور اعتدال سے مُزیّن ہیں۔ جن اوصاف اور اقدار کی رُباعی کے لئے ضرورت ہے وہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اور کلام کی طرح

رباعیاں بھی نہایت پسند کی جاتی ہیں۔ آپ کا مجموعۂ رُباعیات کا یہ ایڈیشن چھپ رہا ہے۔ اُردو کو یہ اضافہ مبارک ہو۔

بلند آہنگی اور لفظی گورکھ دھندے سے آپ ہمیشہ دُور دُور رہے چنانچہ ان کا نشان آپ کی رُباعیوں میں بھی نہیں ملے گا۔ وقتِ نظر اور معنویت کی آپ کے ہاں کمی نہیں۔ چند رُباعیاں اِدھر اُدھر سے اُٹھاکر یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

بندگی کے احساس کے ساتھ جذبۂ خودی کے تیور ملاحظہ ہوں۔

زندہ ہیں تری رضا پہ مرنے والے — یہ ڈوب کے ہیں پار اُترنے والے
بے خوف وہی ہیں جن کو ہے خوف ترا — کس سے ڈرتے ہیں تجھ سے ڈرنے والے

آج کل کے تمدّن میں انسان جس حالت کو پہنچا ہے اُس کا نقشہ کس صفائی اور سچّائی سے کھینچا ہے۔

حاصل کتنا کمال انساں نے کیا — افلاک کو پائمال انساں نے کیا
یہ عقل مگر ابھی نہیں آئی کہ کیوں — انساں کو تباہ حال انساں نے کیا

اور :-

بے رحم و کرم ہے آج بیزار انساں — انساں سے ہے خود برسرِ پیکار انساں
دُنیا کو بنا دیا ہے دوزخ اس نے — کس منہ سے ہے جنّت کا طلبگار انساں

اخلاقِ احسن کے باب میں کیا خوب کہا ہے۔

آئینۂ دل کو گردکیں سے رکھ صاف — کر دے اہلِ ریا کے کینوں کو معاف
دُنیا میں کسی سے کر نہ بے انصافی — دُنیا سے مگر نہ رکھ اُمیدِ انصاف

دُنیا کو اُس کی خرابیوں کی وجہ سے بُرا نہیں کہا، بلکہ اور کسی کو ملزم ٹھہرایا ہے

دُنیا تھی یہی صِدق و صفا کی دُنیا — رحم و کرم و مہر و وفا کی دُنیا
انساں نے بنا دیا بالآخر اُس کو — جور و ستم و کذب و ریا کی دُنیا

فکر و نظر کی وسعتیں ملاحظہ ہوں۔

کُھلتا یہ رازِ علم و حکمت پہ نہیں — جب تک کرمِ خاص بصارت پہ نہیں
معلوم ہوا ہے بعدِ فکرِ بسیار — پردہ آنکھوں پہ ہے حقیقت پہ نہیں

تقدیر کا رونا کون نہیں روتا۔ مگر آپ کا نقطۂ نظر عالمانہ ہے۔

کیوں سب کو سنائیں حال ابتر اپنا — جب اس میں قصور ہو سراسر اپنا
ہم کوستے ہیں عبث مُقدّر کو ندیم — اعمال سے بنتا ہے مقدر اپنا

اور :-

پاداشِ عمل کی ہے یہ منزل لے دوست — قدرت کا ہے انتظام کامل لے دوست
اعمالِ بد اپنے بھول جاتے ہیں ، ہم — قدرت اُن سے نہیں ہے غافل لے دوست

جبر و اختیار بہت پامال مسئلہ ہے۔ آپ نے اس میں ندرت کا رنگ چمکایا ہے۔

مختار تھا کر گیا جو دل کو بھایا　　ہو کر مجبور پھل بھی اُس کا پایا
یوں جبر سے اختیار مغلوب ہوا　　یوں عالم اختیار میں جبر آیا

مذہب کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

مذہب کی زباں پر ہے نکوئی کا پیام　　حُسنِ عمل اور راست گوئی کا پیام
مذہب کے نام پر لڑائی کیسی؟　　مذہب دیتا ہے صلح جوئی کا پیام

پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے جو بدعنوانیاں ہماری تہذیب و تمدن میں داخل ہونے لگیں، اُن کی شکایت اِس طرح کرتے ہیں۔

تغیر پسند ہے زمانے کا مزاج　　تبدیل ہوئے جاتے ہیں سب رسم و رواج
پہلے تھا جنونِ عشق عریانی کوش　　برہم زنِ ہوش حُسنِ عریاں ہے آج

یہ مانتے ہیں کہ:۔

اِس دورِ کمالات میں پسپا ہوں میں　　نقشِ قدمِ قدم کا جویا ہوں میں
سائنس کی تم ترقیاں گنواؤ　　انساں کی مصیبتوں کو گنتا ہوں میں

محروم صاحب خیر سے بڑے زاہد خشک نہیں ہیں۔ کس تڑپ کے ساتھ کہتے ہیں:۔

جب کالی گھٹائیں جھوم کر آتی ہیں　　ساون کا گیت کوئلیں گاتی ہیں
تب یاد میں گزری ہوئی برساتوں کی　　آنکھیں مری سیلِ اشک برساتی ہیں

کوئی یہ نہ سمجھے کہ محروم صاحب "ادب برائے زندگی" کے قائل نہیں۔ یہ دو رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

آٹا مصنوعی اور گھی مصنوعی
بِل جاتے ہیں دودھ اور دہی مصنوعی
مصنوعی ہیں زندگی کے سارے ساماں
کیوں کر نہ ہو اپنی زندگی مصنوعی

اور :-

ہرگز نہیں دُور بیں نگاہِ انساں
روشن تقدیر پہ ہے راہِ انساں
تقدیر نے گندم کو کیا ہے کمیاب
گندم تھی باعثِ گناہِ انساں

آخر میں یہ کہنا ہے کہ دُنیا میں معاشرے کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ ادب کی قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ لوگوں کے ذوق اور پسند بھی بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن ادب کے وہ کارنامے جو جاندار ہوں اور شعور کی سچائی کا جوہر رکھتے ہوں کی قدر اور وقعت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ لوگ شاعر کو بھول جاتے ہیں۔ مگر اس کے شعر گنگناتے رہتے ہیں۔ اُمید ہے کہ صحیح مذاقِ سخن رکھنے والے محروم صاحب کے ادبی کارناموں سے ہمیشہ مستفید رہیں گے اور اُردو نظم میں اس اضافے کو مبارک سمجھا جائے گا۔

کیفی

دہلی
۱۴۔ اگست ۱۹۴۹ء

نمونۂ تحریر

موزوں اشعار اگرچہ کرتا ہوں میں
کچھ رنگِ بقا بھی ان میں بھرتا ہوں میں
تقطیع کی تکلیف نہ دینا مجھ کو
اے اہلِ عروض، تم سے ڈرتا ہوں میں

مستوں کی رباعیاں ہیں مستی سے بھری
صد گونہ نشاطِ مے پرستی سے بھری
محروم تری رباعیاں ہیں لیکن
بے منتِ مے سرورِ ہستی سے بھری

دیوانۂ ہر لذتِ مذموم رہے
پروانۂ ہر ظلمتِ موہوم رہے
باتیں تو بنائیں خوب تونے محروم
لیکن حسنِ عمل سے محروم رہے

مرزا غالب

بادل ترے نام کا گرجتا ہے ابھی
ڈنکا تری شاعری کا بجتا ہے ابھی
ہر موسم گل میں اے غزل خوانِ بہار
پھولوں سے ترا مزار سجتا ہے ابھی

حمد و مناجات

(۱)

ہر راہ میں ہے راہ نُما نام ترا

ہر آہ میں ہے عُقدہ کُشا نام ترا

تسکیں میں ترا خیال تسکیں افروز

اندوہ میں اندوہ رُبا نام ترا

(۲)

ہر دُکھ میں ہے نسخۂ شفا نام ترا

ہر درد کی بلکہ ہے دوا نام ترا

ہر سینہ پہ اندوہِ فنا طاری ہے

سرمایۂ دولتِ بقا نام ترا

(۳)

ہر صبح بلند جب عَلَم کرتا ہے

سر تیرے حضور اُٹھ کے خم کرتا ہے

لوحِ افلاک پر شُعاعی خط میں

خُورشید تری ثنا رقم کرتا ہے

(۴)

دروازے پہ تیرے اک جہاں جھکتا ہے

اُونچے اُونچوں کا سر یہاں جھکتا ہے

کیوں کر نہ جھکے زمیں کی وقعت کیا ہے

باعجز و نیاز آسماں جھکتا ہے

(۵)

ہنگامہ ترا ہی گرم ہر اک سُو ہے

تیرے دم سے ہے جِلتی ہاؤ ہُو ہے

دل سے پیہم یہی صدا اُٹھتی ہے

تُو ہی تُو ہے، جہاں میں تُو ہی تُو ہے

(۶)

ہے طبعِ سخن ورانِ نامی عاجز
جامی و نظامی و گرامی عاجز
میدانِ ثنائے قادرِ مطلق میں
عاجز ہے قادر الکلامی عاجز

(۷)

ہے تیرے کرم پہ انحصارِ ہستی
رحمت تیری باعثِ بہارِ ہستی
حکمت یہ تری ہے اے حکیمِ مطلق!
ذرّوں سے بنا دیا حصارِ ہستی

(۸)

پھولوں کے ورق ہیں دفترِ بے معنی

اجرامِ فلک ہیں پیکرِ بے معنی

پڑ جاتی ہے نام سے ترے جاں اِس میں

ورنہ یہ جہاں ہے منظرِ بے معنی

(۹)

کیا ابرِ بہار جھوم کر آیا ہے

دامن میں پئے زمیں گہر لایا ہے

ابر و باراں پہ کس کو قدرت حاصل

رحمت تیری ہے جس نے برسایا ہے

(۱۰)

مُجرم ہوں، سیاہ کار ہوں، رحمت کر

عاجز ہوں، گُناہ گار ہوں، رحمت کر

حاضر ترے در پہ اے خُداوندِ کریم

با دیدۂ اشک بار ہوں، رحمت کر

(۱۱)

قاری ہوں میں نہ بید خواں ہوں یارب!

ناواقفِ اسرارِ نہاں ہوں یارب!

عاصی ہوں، نظر ہے دامنِ رحمت پر

جو بندۂ گوشۂ اماں ہوں یارب!

(۱۲)

اے خالقِ پاک! اے خداوندِ کریم!

حقّا کہ تُو ہے قدیرو یکتا و قدیم

آلودۂ صد مالِ ظُلمت ہوں میں

تُو نُور و سُرور کا ہے دریائے عظیم

(۱۳)

دھو لیتے ہیں جب کہ پیرہن مَیلا ہو

کر لیتے ہیں صاف جب بدن مَیلا ہو

اے خالقِ پاک! تیری رحمت کے بغیر

کیوں کر ہو پاک جب کہ مَن مَیلا ہو

(۱۴)

رنگ و بوئے گلستانِ ہستی تُو ہے

آرائشِ جاودانِ ہستی تُو ہے

حیراں ہوں یہ موت کیا بلا ہے جب خُود

رُوحِ آفاق وجانِ ہستی تُو ہے

(۱۵)

زندہ ہیں تری رضا پہ مرنے والے

یہ ڈوب کے ہیں پار اُترنے والے

بے خوف وہی ہیں جن کو ہے خوف ترا

کس سے ڈرتے ہیں تجھ سے ڈرنے والے

(۱۶)

جمعیتِ دل کا کوئی ساماں کر دے

ہر مجمعِ یاس کو پریشاں کر دے

آساں کو کیا ہے بختِ بد نے مشکل

یا رب! مری مشکلوں کو آساں کر دے

(۱۷)

قائل ہم بھی ہیں دوزخ و جنّت کے

معنی کے ہیں مُعتقِد، نہیں صُورت کے

دوزخ؟ تاریکیاں تری دُوری کی

جنّت؟ انوار ہیں تری قُربت کے

(۱۸)

اے خالقِ ذوالجلال و اے ربِّ غفور

ہے تیرے کرم سے جملہ نیرنگِ ظہور

ہے رحمتِ عام کارفرما تیری

محروم ہوں میں تو اس میں میرا ہے قصور

(۱۹)

ایسے بھی ہیں جن کو ہے مے و جام سے کام

ایسے بھی ہیں لاکھوں کہ جنہیں کام سے کام

کر مجھ کو عطا اپنے کرم سے وہ دل

ہو جس کو تری یاد، ترے نام سے کام

(۳۰)

اے روشنیِ شعور دینے والے

ذرّوں کو ضیائے طُور دینے والے

دیدار طلب ہے چشمِ حیراں میری

اے شمس و قمر کو نُور دینے والے

(۳۱)

مشرق کو شدائدِ فرنگی سے بچا

مغرب کو مکائدِ ہنگی سے بچا

اے خالقِ پاک فطرتِ انساں کو

روباہی و گرگی و پلنگی سے بچا

انسان

(۱)

ہے نازشِ کائنات یہ پیکرِ خاک

دھوم اس نے مچا رکھی ہے زیرِ افلاک

ہے دارِ فنا یہ اس کی بزم آرائی

غافل انجام سے ہے، یا ہے بیباک؟

(۲)

ہے کارگہِ دہر میں مزدور انساں

ہستی پہ ہے اپنی پھر بھی مغرور انساں

مختار ہے ایک خاص حد تک بیشک

لیکن حد سے سوا ہے مجبور انساں

(۳)

سرمایہ پرست ہو کہ مزدور انساں

ہے دائرۂ عمل میں محصور انساں

تدبیر کے کاروبار میں ہے مختار

تقدیر کے سامنے ہے مجبور انساں

(۴)

انساں ہے تمیزِ نیک و بد سے انساں

ورنہ بدتر ہے دام و دد سے انساں

عقلِ محدود کا تقاضا ہے یہی

گزرے ہرگز نہ اپنی حد سے انساں

(۵)

کالا انساں ہو یا کوئی زرد انساں

رنگت میں ہو یا چاند کی گرد انساں

خارج انسانیت سے اُس کو سمجھو

انساں کا اگر نہیں ہے ہمدرد انساں

(۶)

پرّاں ہو خواہ آسماں پر انساں

ہو خواہ سمندر کا شناور انساں

انسانیت اُس میں نہیں جب تک لے دوست

مُرغ و ماہی سے ہے فروتر انساں

(۷)

حکمت کے پروں پہ اُڑ چلے بے پر بھی

مغرور بھی اس سے ہو گئے خود سر بھی

پرواز پہ کس لئے ہے انساں نازاں

مکھّی بھی اُڑ رہی ہے اور مچھّر بھی

(۸)

حاصل کتنا کمال انساں نے کیا
افلاک کو پائمال انساں نے کیا
یہ عقل مگر ابھی نہیں آئی کہ کیوں
انساں کو تباہ حال انساں نے کیا؟

(۹)

فریاد ہے کس لیے درِ یزداں پر
الزام تراشتے ہو کیوں شیطاں پر
یزداں نے کیے کبھی، نہ شیطاں نے کیے
انساں نے کیے ہیں جو ستم انساں پر

(۱۰)

حُسنِ ظاہر سے ہے درخشاں انساں

باطن کو کر چکا ہے ویراں انساں

رکھتا نہیں حیف اِس حقیقت پہ نظر

بے صدق و صفا نہیں ہے انساں انساں

(۱۱)

انساں نے درندوں کے چلن سیکھ لئے

اطوارِ رضائے اہرمن سیکھ لئے

اپنے علم و ہُنر پہ خوش ہے ناداں

بربادئ دوجہاں کے فن سیکھ لئے

(۱۲)

ہے رحم و کرم سے آج بیزار انساں

انساں سے ہے خود برسر پیکار انساں

دُنیا کو بنا دیا ہے دوزخ اس نے

کِس مُنہ سے ہے جنّت کا طلبگار انساں

(۱۳)

اُڑتے دیکھا جو طائرِ پرّاں کو

اُڑنے کی اُمنگ لے اُڑی انساں کو

گولے برسا دیئے زمیں پر اُس نے

پرواز نصیب جب ہوئی ناداں کو

(۱۴)

کرتا ہے ہُنر سے اپنے سیرِ افلاک

پھرتا ہے بحر و بر میں کیسا بیباک

لیکن بے بس ہے یوں اجل کے آگے

جیسے طوفاں کے سامنے ہو خاشاک

(۱۵)

ہنس ہنس کے بڑی مُصیبتیں سہہ جانا

اللہ تک اپنی ذات کو کہہ جانا

انجامِ بشر یہ ہے کہ بے بس ہو کر

طوفانِ فنا میں مثلِ خَس بہہ جانا

(۱۶)

دارائے زمیں ہو یا فلک رس انساں

غرقِ عصیاں ہو یا مقدس انساں

محوِ غفلت ہو یا ہو چوکس انساں

تقدیر کے سامنے ہے بے بس انساں

(۱۷)

خدمت گرِ انساں ہے زمانہ سارا

ہر ذرّہ زمیں کا، چرخ کا ہر تارا

راحت کی ہوس میں چھوڑ کر راحت کو

پھرتا ہے کہاں کہاں یہ مارا مارا

(۱۸)

ہر چند درخشندہ ہنر ہے تیرا
بزمِ مہ و انجم میں گزر ہے تیرا
لیکن یہ دیکھنا بھی لازم ہے تجھے
کیا حال زمیں پہ اے بشر ہے تیرا

مذہب

(۱)

دُنیا کے حق آگاہوں کا مذہب ہے ایک
تعلیمِ خُدا رسی کا مکتب ہے ایک
تفریق کے ہیں بہت بہانے ورنہ
اللہ کہو کہ اوم، مطلب ہے ایک

(۲)

ہے منزلِ دوجہاں کا رہبر مذہب

دیتا ہے ہمیں مقامِ برتر مذہب

عقبیٰ میں اُمیدِ خیر اس سے کیا ہو

دُنیا میں اگر ہے حامیِ شر مذہب

(۳)

مذہب کا عمل جہاں کہیں ہوتا ہے

فتنہ داخل وہاں نہیں ہوتا ہے

اغراض سے بے نیاز، آلام سے پاک

جنّت وہ خطّۂ زمیں ہوتا ہے!

(۴)

مذہب کی زباں پر ہے نکوئی کا پیام
حُسنِ عمل اور راست گوئی کا پیام
مذہب کے نام پر لڑائی کیسی
مذہب دیتا ہے صلح جوئی کا پیام

(۵)

لڑتے نہیں واقفِ مقام آپس میں
برہم ہوتے ہیں کج خرام آپس میں
مذہب کے نام پر بحکمِ ابلیس
لڑتے ہیں نفس کے غلام آپس میں

(۶)

مذہب ہے فقط حُسنِ عمل کا حامی
ہرگز وہ نہیں اہلِ دغل کا حامی
دُنیا کو پیامِ امن پھر دے گا کون
مذہب ہو اگر جنگ و جدل کا حامی

(۷)

قائل ہم ذاتِ پاکِ یزداں کے ہیں
عامل فرمودہ ہائے شیطاں کے ہیں
کہنے کو تو ہندو بھی مسلماں بھی ہیں ہم
پابند نہ دھرم کے نہ ایماں کے ہیں

انشا

ان رُباعیوں کا مبدٔ شاعرانہ تخیّل ہے۔ کسی مذہب یا عقیدے کی تائید یا تردید نہیں۔ (محروم)

(۱)

ہر تن میں نہاں ہے جس نے بخشی ہے جاں

وہ رُوح و رواں ہے جس نے بخشی ہے جاں

انساں کو احترامِ جاں ہے لازم

خود جانِ جہاں ہے جس نے بخشی ہے جاں

(۲)

فریاد کناں ہے بے زبانوں کی زباں

مت پوچھ کہاں ہے بے زبانوں کی زباں

ہمدرد نگاہ سے اگر تو دیکھے

چشمِ حیراں ہے بے زبانوں کی زباں

(۳)

ہم جانوروں کو کاٹتے ہیں ناحق

خالق جن کا ہے خود وہ بے ہمتا حق

تخلیقِ حیات پر نہیں جب قادر

اتلافِ حیات کا ہمیں ہے کیا حق

(۴)

تولے ہوئے بے زباں پہ ہے توخنجر

ہے رحم و کرم کا پھر بھی دعویٰ اکثر

آزار کے احساس سے غافل انساں

اک سوئی چبھو کے دیکھ اپنے تن پر

(۵)

کی میں نے یہ التجا "الٰہی کر رحم

درکار ترا ہے خالق برتر رحم"

یوں آئی ندائے غیب "اتنا ہوگا

جتنا کرتے ہو بے زبانوں پر رحم"

(۶)

بالصّدق جو امن کی تمنّا کرلیں

عزمِ جنگ و جدل سے توبہ کرلیں

دُنیا ہو جائے رشکِ فردوسِ بریں

قومیں اگر اختیار اہنسا کرلیں

(۷)

گُلشن میں اہنسا کے نہیں خار کوئی

مُنکر اِس سے نہیں ہے زِنہار کوئی

ہو جائے اگر جانور آزاری بند

رہ جائے نہ پھر وطن میں آزار کوئی

(۸)

ناشکرگزار کس قدر ہے انساں
گرویدۂ نفسِ حیلہ گر ہے انساں
جن جانوروں کا دودھ پیتا ہے یہ
کھاتا انھیں کاٹ کاٹ کر ہے انساں

(۹)

شہ زور اہنسا سے اگر عاری ہے!
جو اُس کی شجاعت ہے ستم گاری ہے
کمزور غریب کی اہنسا لیکن
مجبوری و بے بسی ہے، لاچاری ہے

(۱۰)

ہے لائق توصیف اہنسا کا اصول

ہر نیک دل انساں اسے کرتا ہے قبول

لیکن ہے اہنسا کو بھی ہنسا درکار

کانٹوں کی حفاظت میں کھلا کرتے ہیں پھول

(۱۱)

بے شک برتر مقام اہنسا کا ہے!

دیکھیں کہ حریف روبرو کیسا ہے

لاریب وہ بزدلی اسے سمجھے گا

بدبیں کی نگاہ میں اہنسا کیا ہے

(۱۲)

اے اہلِ نظر، یہ نکتہ ہے قابلِ غور

فردِ واحد کی ہے اہنسا کچھ اور

عامل ہو اہنسا پر اگر ساری قوم

دُور اُس سے نہیں اُس کی تباہی کا دَور

(۱۳)

کہتے ہیں ثواب ہے درندوں کا شکار

دنیا میں رہے نہ تاکہ رسمِ آزار

خود رحم و کرم کے مدّعی کو دیکھو

ہے گرگ و پلنگ سے زیادہ خوں خوار

دُنیا

(۱)

دُنیا نے عجب نقش جما رکھا ہے

ہر اک کو غُلام اپنا بنا رکھا ہے

پھر لُطف یہ ہے کہ جس سے پوچھو وہ کہے

اِس عالمِ آب و گِل میں کیا رکھا ہے!

(۲)

دُنیا تھی یہی صدق و صفا کی دُنیا

رحم و کرم و مہر و وفا کی دُنیا

انسان نے بنا دیا بالآخر اس کو

جور و ستم و کذب و ریا کی دُنیا

(۳)

سب جانتے ہیں کہ بے بقا ہے دنیا

سب جانتے ہیں کہ بے وفا ہے دُنیا

ترکِ دُنیا کے مُدّعیوں میں بھی

اکثر ہیں کہ جن کا مُدّعا ہے دُنیا

(۴)

ہے بحرِ رواں، نہیں ہے ساحِل دُنیا
ہے راہِ سفر، نہیں ہے منزل دُنیا
رہتا آخر کوئی تو محفوظ اس میں
ہوتی جو مقامِ امن اے دل دُنیا

(۵)

ناکام نہیں جو، آرزو کس کی ہے؟
ہمدوشِ مُراد جستجو کس کی ہے؟
شیدا ہر ایک ہے ترا اے دُنیا
لیکن نہ کھلا یہ راز، تو کس کی ہے؟

(۶)

جو کچھ کہ ہے مُستعار دیتی دُنیا

ہے وقتِ سفر سنبھال لیتی دُنیا

دانا ہے تو تُخمِ خیر بوئے جا تُو

آخر ہے آخرت کی کھیتی دُنیا

(۷)

پیش آئی جہاں میں جا و بیجا مُشکل

جس سے ہوئی زندگی سراپا مُشکل

ہے منزلِ مُشکلاتِ دُنیا، لیکن

مشکل ہے پھر بھی ترکِ دُنیا مُشکل

(۸)

اے ذوقِ غمِ وفا سے عاری دُنیا
شیوہ ہے ترا سِتم شعاری دُنیا
پُر داغ جگر ہے اور دل ہے مجروح
سب تیرے کرم ہیں میری پیاری دُنیا

(۹)

یہ حسرت و اندوہ و الم کی دُنیا
اِس سے تو ہے خوب تر عدم کی دُنیا
آباد رکھ اس کو خواہ کر دے برباد!
دُنیا میری ہے رنج و غم کی دُنیا

جذبات

(۱)

محروم! بہارِ نوجوانی کب تک
اِس دارِ فنا میں زندگانی کب تک
تنگ آکے کرے گی قافیہ موت اک دن
یہ طبعِ رواں، یہ شعر خوانی کب تک!

(۲)

رنگینیِ بزمِ رنگ و بُو کس کی ہے؟
مُرغانِ چمن میں گفتگو کس کی ہے؟
ہے لالے کے دل میں داغِ حسرت کس کا؟
نرگس حیران جستجو کس کی ہے؟

(۳)

ہنگامۂ ہر ہاؤ ہُو کس کی ہے؟
وقفِ تگ و تازِ آرزو کس کی ہے؟
کیوں روزِ ازل سے پھر رہے ہیں دونوں؟
خورشید و قمر کو جستجو کس کی ہے؟

(۴)

وارفتۂ غم ہے دلِ نالاں کس کا؟

پابندِ وفا ہے طائرِ جاں کس کا؟

بھاری ہے بارِ زندگانی محرم!

معلوم نہیں کہ ہے یہ احساں کس کا؟

(۵)

خورشید و قمر کی روشنی ہے جاں بخش

تاروں میں عیاں جھلک ہی ہے جاں بخش

کہلائے نہ کیوں حسنِ ازل جانِ جہاں

جب پرتوِ عکسِ سرسری ہے جاں بخش

(۶)

وہمِ دل وقفِ یاس رکھتا ہے مجھے

محوِ غمِ بے قیاس رکھتا ہے مجھے

کچھ بھی ہوں کشتۂ تغافل تو نہیں

میں خوش ہوں کہ تو اداس رکھتا ہے مجھے

(۷)

موجود ہے گرچہ دل مرے سینے میں

عالم ہے بے دلی کا اِس جینے میں

مدت سے ہے آرزوئے محشرِ حزیں

تصویر تری ہو دل کے آئینے میں

(۸)

ہے ہے! کیا دل نشیں ادائے گُل ہے

زینت بخشِ چمن لقائے گُل ہے

کیا حُسن ہے، کیا لطافت اللہ اللہ

اے وائے کہ مختصر لقائے گُل ہے

(۹)

پھولوں کا لئے نکھار آئے گی بہار

کٹ جائیں گے خار زار آئے گی بہار

مایوس نہ ہو کہ ایک دن آخرِ کار

اے منتظرِ بہار آئے گی بہار

(۱۰)

پھولوں کا نکھار لے کے آئی ہے بہار
گلبانگ ہزار لے کے آئی ہے بہار
پھر ہوتی ہے دل میں اک خلش سی محسوس
شاید کوئی خار لے کے آئی ہے بہار

(۱۱)

پھولوں کے ہار لے کے آئی ہے بہار
گلشن کا سنگار لے کے آئی ہے بہار
دل کش مانند زلف و رخسار بتاں
کیا لیل و نہار لے کے آئی ہے بہار

(۱۲)

مُرغانِ بہار کی نواؤں کی قسم
امواجِ نسیم کی اداؤں کی قسم
مستی اپنی نہیں ہے ممنونِ شراب
ساون کی مدھ بھری ہواؤں کی قسم

(۱۳)

جلوے دیکھے جو صبحدم پتّھر کے
بُت خانے میں ہو گئے قدم پتّھر کے
اِن زندہ بُتوں کو کیا کہو گے محروم
کہلاتے ہیں جب خدا صنم پتّھر کے

(۱۴)

کیا رنگ ہے سبزہ زار میں شبنم کا

قطرہ نذرِ فنا ہوا جب چمکا

پیسیرہ نہیں مری نظر میں محروم

نقشہ ہے بے ثباتیٔ عالم کا

(۱۵)

ہے صبحِ بہار جلوہ افگن محرم

رشکِ خلدِ بریں ہے گلشن محرم

اس جوشِ بہار میں و فورِ گل میں

کانٹے ہیں اور اپنا دامن محرم

(۱۶)

اُلفت کا چمن اُجڑ گیا ہے یا رب

رنگِ گُل پھیکا پڑ گیا ہے یا رب

گلشن میں چلی ہوائے نخوت ایسی

ہر غنچے کا مُنہ بگڑ گیا ہے یا رب

(۱۷)

نیرنگیِ سیما ہے سیمائے چمن

رنگین دھوکا ہے نقشِ زیبائے چمن

اے بادِ نسیم! اے مسیحائے چمن

مہمان کوئی دم کے ہیں گُلہائے چمن

(۱۸)

ہر حلقۂ زُلفِ عنبریں دھوکا ہے
ہر عشوۂ چشمِ سُرمگیں دھوکا ہے
ہیں زشت و زبوں تمام دھوکے لیکن
کہتے ہیں جسے حُسن، حسیں دھوکا ہے

(۱۹)

معمور ہے خار و خس سے دامانِ چمن
صحرا ہے ہر اک گوشۂ ویرانِ چمن
بُوم و زاغ و زغن کا بالا ہے بول
پابندِ قفس ہیں جب سے مُرغانِ چمن

(۲۰)

باجوش وخروش آئے ہیں پھر بادل

غارت گرہوش آئے ہیں پھر بادل

فطرت برسا رہی ہے مستی ہر سُو

مے خانہ بدوش آئے ہیں پھر بادل

(۲۱)

جب فصلِ بہار گُل فشاں ہوتی ہے

یا جب برسات انیسِ جاں ہوتی ہے

فطرت کس درجہ دل نشاں ہوتی ہے

اک سال میں دو بار جواں ہوتی ہے

(۲۲)

جب کالی گھٹائیں جھوم کر آتی ہیں

ساون کا گیت کوئلیں گاتی ہیں

تب یاد میں گزری ہوئی برساتوں کی

آنکھیں مری سیلِ اشک برساتی ہیں

(۲۳)

جنگل کی یہ دل نشین فضا، یہ برسات

یہ نغمۂ باراں، یہ ہوا، یہ برسات

سامانِ وارفتگیٔ شاعر کے ہیں

کوئل کی یہ کوک، یہ گھٹا، یہ برسات

(۲۴)

ہلکی سی پھوار اور کنارِ دریا

یا صبحِ بہار اور کنارِ دریا

قسمت سے ملتے ہیں کسی کو محرومؔ

ساون، اشجار اور کنارِ دریا

(۲۵)

کس درجہ غم آفریں ہے عالم دل کا

محرومؔ! عدوِ جاں ہوا غم دل کا

دل ماتمِ آرزو میں مضطر تھا کبھی

اب ہم ہیں اور آہ! ماتم دل کا

(۲۶)

کب کوئی جہاں میں چھوٹتا ہے غم سے

دل آخر کار ٹوٹتا ہے غم سے

صدمات سے کھلتی ہیں بشر کی آنکھیں

پھوڑا غفلت کا پھوٹتا ہے غم سے

(۲۷)

بے دل آفاتِ زندگانی سے ہوں

بیزار ترے لئے جوانی سے ہوں

احساں اِس میں ترا نہیں ہے اے موت

زندہ ہوں تو اپنی سخت جانی سے ہوں

(۲۸)

لے بیٹھے زندگی میں کیوں تیرا غم

کیا تلخیٔ زیست کو یہ کر دے گا کم؟

تو بھی کرتی ہے کب کسی کی پروا

اے موت! نہ تجھ سے کیوں ہوں بے پروا ہم

(۲۹)

مُدّت سے غمِ نہاں ہے غم خوار مرا

دل خنجرِ یاس سے ہے افگار مرا

اے بزمِ سخن! نہیں ہوں تیرے قابل

خود ذوقِ نوا سے دل ہے بیزار مرا

(۱۳۰)

درکار جگر تھا زخمِ کاری کے لئے
تیار نہ تھا جگر فگاری کے لئے
محروم! خوشی اس کو کس طرح ہیں رکھنا
جو عمر ملی تھی سوگواری کے لئے

(۱۳۱)

دنیا کتنی حسین نظر آتی تھی
رنگین حُسن آفریں نظر آتی تھی
اب یاس کی تیرگی ہے غالب ہر سُو
پہلے جو کہیں کہیں نظر آتی تھی

(۳۲)

ہر بیم و اُمّید سے بچاتا ہوں اسے

اِنکار و نوید سے بچاتا ہوں اِسے

دل زخمیٔ شمشیرِ حوادث ہے مرا

جذباتِ شدید سے بچاتا ہوں اِسے

(۳۳)

غم باعثِ انتشار ہوتا ہے کبھی

سینہ غم سے فگار ہوتا ہے کبھی

یہ بھی سچ ہے کہ خاطرِ مُضطر کو

حاصل غم سے قرار ہوتا ہے کبھی

(۳۴)

کیا کہیے ہمیں کہاں کہاں کا غم ہے

جاں کاہ زمین و آسماں کا غم ہے

تسکیں دُنیا سے ہے نہ عُقبیٰ کی اُمید

اک دل ہے اور دو جہاں کا غم ہے

(۳۵)

ہر راہ میں تشویش ہے شامل تیری

جاں فرسا ہے مسافت اے دل تیری

آخر یہ تری ہرزہ شتابی کب تک

معلوم نہیں کہاں ہے منزل تیری

(۳۶)

اے دلِ ناکام تو رہے گا کب تک

غافل تہِ دام تُو رہے گا کب تک

بے سانس کبھی ہوائے آزادی میں

دُنیا کا غلام تُو رہے گا کب تک

(۳۷)

دُنیا میں ہوئی تجھ کو نہ تسکین حاصل

کوسوں تجھ سے رہا سکونِ کامل

کیوں کر ہو علاج تیری بے تابی کا

لے جاؤں تجھے کہاں میں اے دل اے دل

(۳۸)

کیا چیز تری ہے جس کو تو کھوتا ہے

نقصاں نقصاں پُکار کر روتا ہے

اک ذرّہ بھی دہر میں نہیں جب تیرا

بے تاب غمِ زیاں سے کیوں ہوتا ہے؟

(۳۹)

لائے تھے ساتھ کچھ نہ لے جائیں گے

ہمراہ عمل بُرے بھلے جائیں گے

جس کو اپنا سمجھ رہے ہیں، سب کچھ

رہ جائے گا، اور ہم چلے جائیں گے

(۴۰)

عالم جب محوِ خواب ہو جاتا ہے

ہنگامۂ ہست و بُود سو جاتا ہے

اکثر شبِ تار میں تصوّر میرا

افلاک کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے

(۴۱)

ہم کہتے ہیں کاش غیرِ فانی ہوتے

بہرہ اندوزِ کامرانی ہوتے

فانی ہوتے نہ ہم اگر اے دلِ زار

غم ہائے نہاں بھی جاودانی ہوتے

(۴۲)

دُنیا دیکھی بہ عالمِ بے خبری

سمجھے بہ غلط اِسی کو ہم دیدہ وری

جمعیّتِ خاطرِ پریشاں کے لیے

آنکھوں نے مول لی پریشاں نظری

(۴۳)

حُسنِ خط و خال کا تماشائی تھا

تصویرِ جمال کا تماشائی تھا

دیکھا اب غور سے تو معلوم ہوا

میں اپنے خیال کا تماشائی تھا

(۴۴)

بے کل موجوں کو مثلِ سیماب کیا

دریاؤں کو منبعِ تب و تاب کیا

اپنے ہاتھوں سے اہلِ پنجاب نے خود

پنجاب کی آبرو کو غرقاب کیا

(۴۵)

مجنوں رونق تھا دامنِ ہاموں کی

گردشِ اُسے کر گئی فنا گردوں کی

شہروں کی طرف جو بڑھ رہا ہے صحرا[1]

پھر اُس کو تلاش ہے کسی مجنوں کی

[1] ۱۹۴۷ء کے فسادات پر۔ یہ مشہور ہے کہ صحرائے راجستھان اپنی حدود کو توڑ کر دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ (محروم)

(۴۶)

چاہا میں نے کہ اپنے غم کا افسوں

اشعارِ حزیں میں اُن کے دل پر پھونکوں

وہ کہتے ہیں خوش ہیں ترے اشعار سے ہم

اب داد کہوں کہ اس کو بیداد کہوں

(۴۷)

قصے دل کو کئی سنائے میں نے

ماضی کے حجابات اُٹھائے میں نے

روشن نہ ہوئی شبِ سیاہِ حرماں

یادوں کے بہت دیئے جلائے میں نے

(۴۸)

دل کش لمحات کو بھلایا میں نے
رنگین جذبات کو مٹایا میں نے
عالم ہے نگاہِ دل میں یک رنگی کا
رکھ دی ہے پلٹ کے دل کی کایا میں نے

(۴۹)

کچھ بھی ثمرِ وفا نہ پایا ہم نے
کیوں عمرِ عزیز کو گنوایا ہم نے
افسوس بتانِ رنگ و بو کی خاطر
بے صرفہ خدا کا گھر لٹایا ہم نے

(۵۰)

عارض پھولوں کے اشک سے دھوئے ہیں

جتنے آنسو بہائے سب کھوئے ہیں

ہم بھی تیری ہی صورت اے شبنم تر

ایّامِ شباب میں بہت روئے ہیں

(۵۱)

دِل موسمِ برشگال میں برہم ہے

یادِ ایّام میں رہینِ غم ہے

ساون کے بادلو! ذرا تھم جاؤ

آمادۂ گریہ دیدۂ پُرنم ہے

(۵۲)

اے وائے غمِ نہاں نے مارا ہم کو

ایذائے غمِ نہاں نے مارا ہم کو

دل ہو نہ سکا حریفِ ضبطِ پنہاں

اخفائے غمِ نہاں نے مارا ہم کو

(۵۳)

شغلِ مے و جام سے ہے بیگانہ تو کیا

کہتے ہیں اگر لوگ اسے فرزانہ تو کیا

محروم کے دل کا حال ہم سے پوچھو

اک شہرِ خرابات ہے، میخانہ تو کیا

(۵۴)

گزری غمِ انتظار سہتے سہتے

ٹوٹے اشکوں کے ہار بہتے بہتے

آغوشِ فنا میں سو گئے ہم آخر

حالِ دلِ بے قرار کہتے کہتے

(۵۵)

جلووں کا نظام ہے ترے ہاتھوں میں

عشرت کا پیام ہے ترے ہاتھوں میں

ساقی! یہ جام ہے ترے ہاتھوں میں

یا ماہِ تمام ہے ترے ہاتھوں میں

(۵۶)

عشرت کے لئے نہ کامگاری کے لئے

ٹوٹا ہوا دل ہے آہ و زاری کے لئے

ہرگز موزوں نہیں کسی محفل میں

مینائے شکستہ میگساری کے لئے

(۵۷)

جب طفلِ دلِ حزیں مچل جاتا ہے

ہاتھوں سے ضبط کے نکل جاتا ہے

آتی ہے تری یاد کھلونا بن کر

اک پل میں یہ نادان بہل جاتا ہے

(۵۸)

کس شے کی ہے تجھ کو جستجو گلشن میں

بے چین جو یوں پھرتی ہے تو گلشن میں

ہونا ہے گرفتار تجھے اے بلبل

گسترده ہیں دامِ رنگ و بو گلشن میں

(۵۹)

قبضہ دل پر خوشی کا کم ہوتا ہے

عالم فرحت کا کوئی دم ہوتا ہے

ہے خانۂ دل مکاں ہی ایسا جس میں

رہتا ہے کوئی جم کے تو غم ہوتا ہے

(۶۰)

روتا ہے بشر بہت جو غم سہتا ہے
کب اشکِ رواں کے ساتھ غم بہتا ہے
دل آنکھ سے خوں ہو کے ٹپکے تو بھی
جاتا نہیں دل سے، دل میں غم رہتا ہے

(۶۱)

تاراج کیا نشیمنِ دل غم نے
گُل کر دی شمعِ روشنِ دل غم نے
ہم غم سے چھڑاتے رہے دامن لیکن
چھوڑا ہر گز نہ دامنِ دل غم نے

(۶۲)

عالَم غمناک بھی، طرب کوش بھی ہے

موجود یہاں نیش بھی ہے، نوش بھی ہے

کیا خوب زمانے کو کہا جس نے کہا

یہ جام بکف جنازہ بردوش بھی ہے

(۶۳)

جو شخص محبّت میں گرفتار ہوا

ہر چند وہ ناکام و دل افگار رہا

حاصل اُس کو ہے ذوق اُس پر جس کو

ہرگز نہ محبّت سے سروکار رہا

(ترجمہ از شیکسپئر)

(۶۴)

چاہا اکثر تجھے بھلا دوں، لیکن

یہ حال ہے میرے روز و شب کا تجھ بن

جوں توں کر کے اگر گزرتا ہے دن

کٹتی ہے غم کی رات تارے گن گن

(۶۵)

مخدوم! مسرّت کو غنیمت جانو

موہوم مسرّت کو غنیمت جانو

ہاتھ آئے وہ جتنی بھی ملے

معصوم مسرّت کو غنیمت جانو

(۶۶)

مضطر قفسِ تن میں ہے، یہ راز ہے کیا

اے جانِ حزیں حسرتِ پرواز ہے کیا

دل کش نہ رہے مناظرِ گلشنِ دہر

محروم یہ انجام کا آغاز ہے کیا

(۶۷)

کیوں دیکھے نقشِ پائے رہبر کی طرف

یا رہبری نگاہِ اختر کی طرف

کچھ خوف نہیں ہے ہم کو گم راہی کا

جاتی ہے ہر اک راہ ترے گھر کی طرف

فکر و نظر

(۱)

الحاد کو کیوں کرے گوارا انساں
ہو قائلِ ذاتِ عالم آرا انساں
چارہ ہی نہیں ہے جب سہارے کے بغیر
ڈھونڈے کیوں نیستؔ کا سہارا انساں

(۲)

قطرہ سمجھے حقیقتِ دریا کیا
ذرّے کو علمِ وسعتِ صحرا کیا
پایا نہ سُراغ ذاتِ بے پایاں کا
عقلِ انساں بھٹک رہی ہے کیا کیا

(۳)

رازِ ہستی بشر کو ہو کیا معلوم
سرگرداں عقل ہے نتیجا معلوم
باوصفِ ہزار علم اس کو اپنا
آگا معلوم ہے نہ پیچھا معلوم

(۴)

کھلتا یہ رازِ علم و حکمت پہ نہیں

جب تک کرمِ خاص بصارت پہ نہیں

معلوم ہوا ہے بعدِ فکرِ بسیار

پردہ آنکھوں پہ ہے حقیقت پہ نہیں

(۵)

کانوں نے سُنی نہیں ہے آواز کہیں

آنکھوں نے بھی دیکھے نہیں انداز کہیں

دل سے پیہم مگر ہے آتی یہ صدا

موجود ہے وہ انجمنِ ناز کہیں

(۶)

معدوم اُسے نہ جان جو ہے مستُور
ظلمت کے مقابلے میں موجود ہے نُور
اے مُنکرِ ذاتِ حق! ذرا کھول آنکھیں
فانی ہم ہیں تو کوئی باقی ہے ضرور

(۷)

کیوں ظلمتِ وہم نے تجھے گھیرا ہے
کیوں عالمِ تاریک تری دُنیا ہے
کر اُس کے خیال سے دِل اپنا روشن
خالق جو مہر و ماہ و انجم کا ہے

(۸)

کیوں جرأتِ الحاد کا اظہار کریں
ابلیس کو کس لیے نگوں سار کریں
توفیقِ رضائے حق سے عاری ہیں اگر
کیوں ہستیٔ ذاتِ حق سے انکار کریں

(۹)

خالق نے بسا کے دہر کی بستی کو
مفہوم دیئے بلندی و پستی کو
ہر ذرّے کے نقطے میں نہاں ہے نکتہ
مہمل نہ سمجھ نگارشِ ہستی کو

(۱۰)

خورشید و کواکبِ درخشندہ و ماہ

ہم اِن کے پرستار نہیں ہیں واللہ

یہ لائقِ احترام لیکن ہیں ضرور

ہیں قدرتِ صانعِ حقیقی پہ گواہ

(۱۱)

ذات اُس کی قیاس و وہم سے باہر ہے

جرأت اور سہم سے باہر ہے

ہے اُس کی تلاش میں خرد سرگرداں

دل میں رہ کر جو فہم سے باہر ہے

(۱۲)

خلوت میں بھی پردے کا یہ انداز ہے کیا

بیٹھا ہوا پاس کوئی غمّاز ہے کیا

آنکھوں میں مری سما رہے ہو، لیکن

رہتے ہو نظر سے دور، یہ راز ہے کیا

(۱۳)

اُس صانعِ بے چگوں کی صنعت دیکھو

حیرت کدۂ جہاں کی ہیئت دیکھو

موجود ہیں دنیا میں کروڑوں انسان

ملتی نہیں اک سے ایک صورت دیکھو

(۱۴)

جاں بخش ہے اور راحتِ جاں خورشید

ہے زندگیِ عالمِ امکاں خورشید

خورشید کے دم سے ہے درخشاں عالم

کس کی طلعت سے ہے درخشاں خورشید

(۱۵)

جیتے ہیں نفس کی آمد و شد پر ہم

اس میں بے اختیار ہیں یکسر ہم

بس میں اپنے نہیں نفس جب اپنا

سمجھیں مختار خود کو پھر کیوں کر ہم

(۱۶)

ہر سانس اُسی کے حکم پر چلتی ہے

یہ زیست اُسی کے رحم پر پلتی ہے

شاداب اگر نہ ہو کرم سے اُس کے

کب شاخِ حیات پھولتی پھلتی ہے

(۱۷)

ہے گرچہ نہاں منبعِ انوار ہے وہ

ہر مہ و انجم پہ ضیا بار ہے وہ

ہے شمعِ حیات اُسی سے روشن اپنی

جب چاہے بجھا دے اسے مختار ہے وہ

(۱۸)

رزّاق سے سب ہیں رِزق پانے والے

مہماں اُس کے ہیں آنے جانے والے

نازاں نہ ہو اور کو کھلا کر انساں!

اک خوانِ کرم سے سب ہیں کھانے والے

(۱۹)

دل خوش نہ ہوا ملال پیوستہ رہا

بدحال رہا خراب اور خستہ رہا

بے سُود ہوئیں اِدھر اُدھر کی باتیں

سربستہ جو راز تھا وہ سربستہ رہا

(۳۰)

عقل و خرد و شعور و فہم و ادراک

اُڑ اُڑ کے گئے ہیں تا بہ اوجِ افلاک

لیکن نہ ملا نشانِ منزل اُن کو

کچھ تو ہی بتا دے اے جنونِ بیباک

(۳۱)

تجھ کو بہرِ رزق اگر پریشانی ہے

اے دل! تیری یہ محض نادانی ہے

وہ دیکھ فلک پہ بادلوں کے انبار

سامانِ حیاتِ عالمِ فانی ہے

(۲۲)

جو راستہ رہبرِ ازل دِکھلائے

عقل اُس پہ چلے تو ٹھوکریں کیوں کھائے

وہ عقل بچائے گی تمھیں کیا محرم

جو دامِ فریبِ نفس میں آجائے

(۲۳)

بدخواہ نہیں خالقِ اکبر اپنا

غائب ہو کر بھی ہے وہ رہبر اپنا

ہم خود ہیں بُرے تو ہے مقدّر بھی بُرا

اچھّے ہیں تو اچھّا ہے مقدّر اپنا

(۲۴)

کی نفس سے عمر بھر لڑائی میں نے

ہر بار مگر شکست کھائی میں نے

بیکار گئے وار تمام اس کے جب

دی خالقِ پاک کی دُہائی میں نے

(۲۵)

کیوں سب کو سُنائیں حالِ ابتر اپنا

جب اس میں قصور ہو سرا سر اپنا

ہم کوستے ہیں عبث مقدّر کو ندیم

اعمال سے بنتا ہے مقدّر اپنا

(۲۶)

دروازہ نجات کا بیاباں میں نہیں

دل کا آرام قصر و ایواں میں نہیں

تسکین جنّت میں بھی نہیں مِل سکتی

جب تک موجود قلبِ انساں میں نہیں

(۲۷)

ہم بھول کو اپنی عِلم و فن سمجھتے ہیں

غُربت کے مقام کو وطن سمجھتے ہیں

منزل پہ پہنچ کے چھاڑ دیں گے اِس کو

یہ گردِ سفر ہے جس کو تن سمجھتے ہیں

(۲۸)

ظاہر میں قضا بڑا ستم ڈھاتی ہے

جاں اُس کے تصوّر سے دہل جاتی ہے

لیکن ہر موت کا نتیجہ ہے حیات

ہر شام پیامِ صبحِ نو لاتی ہے

(۲۹)

انجام خمار ہے ہر اک مستی کا

عازم ہر اوج ہے یہاں پستی کا

دُنیا میں نہ مطمئن نہ مُضطر ہیں وہ

معلوم جنھیں مآل ہے ہستی کا

(۳۰)

جو تارکِ اسبابِ جہاں ہوتا ہے

غم اُس کو دمِ مرگ کہاں ہوتا ہے

دُنیا مہماں سرائے ہے اُس کے لئے

خود مثلِ مسافر گزراں ہوتا ہے

(۳۱)

عشرت ہے پیشِ دیدۂ بینا کیا

ساقی و مغنّی و مے و مینا کیا

بزمِ ماتم میں ذوقِ مستی افسوس

اﷲ وہ فنا ہو جس میں وہ جینا کیا

(۳۲)

تلخابۂ غم کے چکھنے والے کم ہیں
اپنی جرأت پرکھنے والے کم ہیں
پھولوں کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں سب
کانٹوں پہ پاؤں رکھنے والے کم ہیں

(۳۳)

برہم دل و جاں کی شادمانی کیوں ہے؟
دونوں میں نزاعِ درمیانی کیوں ہے؟
گر مضطربِ ہوائے باقی ہے جاں
دل محوِ تعلقاتِ فانی کیوں ہے؟

(۳۴)

مہر و ماہ و زمین و اختر گرداں

ہیں رُوئے زمیں پہ چار عنصر گرداں

گردش سے ہے جب قیامِ بزمِ ہستی

کیا شکوہ، اگر ہے آدمی سرگرداں

(۳۵)

اللہ رے وسعتِ جہانِ انجم

گُم ہوتی ہے عقل درمیانِ انجم

کیا سامنے اُن کے ہے زمیں کی ہستی

شاید ہے یہ گردِ کاروانِ انجم

(۳۶)

مایا کا طلسم ہے جہاں کچھ بھی نہیں

آثارِ ثباتِ این و آں کچھ بھی نہیں

بے بود و جودِ عالمِ امکاں ہے

جو کچھ بھی ہے جُز وہم و گماں کچھ بھی نہیں

(۳۷)

کیوں دارِ فنا کو جائے راحت سمجھا

اور مُلکِ بقا کو دارِ آفت سمجھا

محرُوم! سمجھ ہی کچھ تری ہے اُلٹی

غربت کو وطن، وطن کو غربت سمجھا

(۳۸)

کب دردِ حیات کی دوا ملتی ہے
ہاں تلخیِ جرعۂ فنا ملتی ہے
جینا شاید ہے جرمِ سنگیں جس پر
ہر شخص کو موت کی سزا ملتی ہے

(۳۹)

پاداشِ عمل کی ہے یہ منزل اے دوست!
قدرت کا ہے انتظامِ کامل اے دوست!
اعمالِ بد اپنے بھول جاتے ہیں ہم
قدرت اُن سے نہیں ہے غافل اے دوست!

(۴۰)

دُنیا میں برائے مردمِ کم مقدار
اہلِ شوکت ہیں باعثِ صد آزار
راہوں میں رہروانِ منزل کے لئے
اُڑتی ہوئی گرد چھوڑ جاتے ہیں سوار

(۴۱)

فطرت عیبِ نہاں اگر رکھتی ہے
رفعت ظاہر کی کیا اثر رکھتی ہے
پرّاں اوجِ فضا پہ ہوتی ہے چیل
نیچے مُردار پر نظر رکھتی ہے

(۴۲)

جو عیب مُقدّر میں لکھا ہوتا ہے
پتّھر کی لکیر سے سِوا ہوتا ہے
بدبو تنِ ماہی سے نہیں جا سکتی
دریاؤں کی شُستِ وشُو سے کیا ہوتا ہے

(۴۳)

قُدرت کی عطا ہے خوبیِ جوہر بھی
قائم رہتی ہے آفت آنے پر بھی
ٹکڑے ہو کر بھی لعل رہتا ہے لعل
خُوشبو دیتا ہے پھول مُرجھا کر بھی

(۴۴)

یہ جسم ہے خاک کے برابر اے دل

پنہاں اِس میں ہے ایک گوہر اے دل

تو اُس کی تلاش میں رہا گر ناکام

جائے گا عدم کو خاک بر سر اے دل

(۴۵)

رُتبوں میں یہاں راحت و آرام نہیں

معزول کہیں گردشِ ایّام نہیں

کس اوج پہ اُڑتے ہیں یہ بادل محروم!

رونے کے سوا اِن کو کوئی کام نہیں

(۴۶)

نقشِ باطل حروفِ تقدیر نہیں
مِٹ جائے مٹانے سے، وہ تحریر نہیں
تقدیر بدلتی ہے عمل سے جس کے
وہ حُسنِ عمل ہے، سحرِ تدبیر نہیں

(۴۷)

تدبیر کے بندوں نے بڑے کام کئے
تقدیر نے جب نہ دی اجازت، نہ جیے
تدبیر سے لے کر پرِ پرواز اُڑے
تقدیر نے پردار کے پر توڑ دیئے

(۴۸)

تنکا ہے بشر موجِ فنا کے آگے

چلتی نہیں کچھ اس کی فنا کے آگے

کیا چیز ہے موت، آ بتاؤں تجھ کو

انسان کی شکست ہے خُدا کے آگے

(۴۹)

کتنی ہی احتیاط کوئی کر جائے

چھلکے گا جامِ زندگی، جب بھر جائے

جینا ہو تو بے اثر ہو افعی کا زہر

مرنا ہو تو زنبور کا کاٹا مر جائے

(۵۰)

مختار تھا گرگیا جو دل کو بھایا

ہو کر مجبور پھل بھی اس کا پایا

یوں جبر سے اختیار مغلوب ہوا

یوں عالم اختیار میں جبر آیا

(۵۱)

ہمدم ہمراز نفسِ عیّار رہا

دل عشوۂ و مہر کا طلبگار رہا

تھا رہبرِ عقل پر بھروسا ہم کو

افسوس کہ رہبر بھی خطا کار رہا

(۵۲)

دم اکثر پارسائی کا بھرتا ہے
حیراں ہوں کہ دل مرا یہ کیا کرتا ہے
خوف اس کو گناہ سے نہیں ہے لیکن
الزامِ گناہ سے بہت ڈرتا ہے

(۵۳)

انکارِ گناہ بھی کئے جاتا ہوں
تکرارِ گناہ بھی کئے جاتا ہوں
حاصل ہو ثوابِ مفت اس لالچ میں
اقرارِ گناہ بھی کئے جاتا ہوں

(۵۴)

دل کی خواہش یہ ہے کہ بن جاؤں نیک

نیکی کروں اور اُس کا صلہ پاؤں نیک

تحریک مگر نفس کی ہر لحظہ ہے یوں

نیکی سے کروں گریز، کہلاؤں نیک

(۵۵)

ساقی ہے یہاں، نہ مے، نہ مستی، نہ سرور

نغمہ ہے، نہ حُسن و عشق کا ہے مذکور

ملزم اس میں نہ مجھ کو ٹھہرا اے دل

میری چشم مآل بیں کا ہے قصور

(۵۶)

ہر چند وہ بے نیاز کہلاتا ہے

مخلوق پہ اپنی رحم فرماتا ہے

دل خوف سے اُس کے کانپ اُٹھتا ہے مرا

انساں جب بے زباں کو تڑپاتا ہے

(۵۷)

اِس دارِ فنا میں طالبِ راحت ہوں

مستِ مئے خواب اور غفلت ہوں

میکش اچھا ہے مجھ سے مسرور تو ہے

میں مرتکبِ گناہِ بے لذت ہوں

(۵۸)

کہتے ہو کشش گناہ میں کیوں آئی

ترغیب ہماری راہ میں کیوں آئی

لیکن جو چیز رہزنِ ایماں تھی

پھر پھر کے وہی نگاہ میں کیوں آئی

(۵۹)

ہرچند گناہ میں کشش ہے موجود

لیکن ساتھ اس کے سرزنش ہے موجود

ہر لغزش میں لغزش کا خطرہ ہے پنہاں

ہر پھول میں خار کی خلش ہے موجود

سوال

ہر چند بُری میں نے روِش رکھی ہے

فطرت پہ نگاہِ بے خلش رکھی ہے

گر بے ادبی نہ ہو تو اتنا پوچھوں

کیوں تو نے گناہ میں کشش رکھی ہے

جواب

وہ چیز گناہ میں کہاں ہے محروم

دل جس کے لئے تڑاپتا ہے محروم

لذّات میں ہے جو دل فریبی کم و بیش

تیری نیّت کا امتحاں ہے محروم

(۶۲)

دُنیا میں کثافتِ ہوا کے ساماں

بے حد ہیں، بے شمار ہیں، بے پایاں

ہو جاتی ہے پاک پھر بہ لُطفِ یزداں

مایوس نہ ہو گناہ کر کے انساں

(۶۳)

کہتے ہیں نجات اگر ہے تجھ کو مرغوب

کر نفسِ زیاں کار کو پہلے مغلُوب

گر نفس پہ حاصل مجھے قدرت ہو جائے

کس چیز سے پھر نجات ہوگی مطلُوب

(۶۴)

مُشکل ہے نجاتِ رُوح جب تک انساں
آغوشِ فریبِ نفس میں ہے شاداں
آغوشِ فریبِ نفس وہ دوزخ ہے
ہوتا ہے بشر کو جس پہ جنّت کا گُماں

(۶۵)

آرام بھی ہے جہاں میں آزار بھی ہے
ہے امن واماں بھی اور پیکار بھی ہے
راحت کے ساتھ رنج بھی ہے موجود
سچ ہے کہ جہاں گُل ہے وہاں خار بھی ہے

(۶۶)

دل عالمِ رنگ و بُو سے بیزار بھی ہے

باقی، ہوس و ہوائے گلزار بھی ہے

لیکن اس میں قصور کیا ہے دل کا

دل کش بھی ہے یہ جہاں دل آزار بھی ہے

(۶۷)

ادبار کا گھر کہ جائے اقبال ہے دہر

جیسا نظر آتا ہے بہر حال ہے دہر

کیوں ترشئ دہر پہ ہے برہم اتنا

ناداں ترا آئینۂ اعمال ہے دہر

(۶۸)

تاخیرِ مزید یاس سے اچھّی ہے

ہر گفت و شنید یاس سے اچھّی ہے

ہر چند فریبِ محض ہے، دھوکا ہے

پھر بھی اُمّید یاس سے اچھّی ہے

(۶۹)

اس سے تو دل و دماغ ہوں گے اَبتر

ہاتھ آئے گا کیا بہت کتابیں پڑھ کر

آنکھیں روشن ہوں اور دل نُورانی

ڈال ایک نظر صحیفۂ فطرت پر

(۷۰)

اُڑ جائے گا رنگِ حُسنِ رنگیں اے دل!

دولت بھی نہیں ثبات آگیں اے دل!

جب تک ہے فنا پذیر چیزوں سے لگاؤ

حاصل ہوگی نہ تجھ کو تسکیں اے دل!

(۷۱)

اُلجھی اُلجھی شباب کی باتیں ہیں

مُبہم پیچیدہ خواب کی باتیں ہیں

چھوڑو بھی خیالِ زُلفِ خُوباں چھوڑو

محروم پیچ و تاب کی باتیں ہیں

(۷۲)

آٹا مصنوعی اور گھی مصنوعی

مِل جاتے ہیں دودھ اور دہی مصنوعی

مصنوعی ہیں زندگی کے سارے ساماں

کیوں کر نہ ہو اپنی زندگی مصنوعی

۷۳

ہر ایک ادا ہے حُسن کی مصنوعی

مصنوعی عتاب اور ہنسی مصنوعی

مصنوعی دوائیں جب مسیحا بیچیں!

کیوں کر نہ ہو دردِ عاشقی مصنوعی

(۷۴)

ہر چیز اگرچہ اب ہوئی مصنوعی

تُو اپنی بنا نہ زندگی مصنوعی

صنعت کو فروغ کب ہوا قدرت پر

اُڑ اُڑ کے گرے گی یہ پری مصنوعی

(۷۵)

کس کام کی ہے شگفتگی مصنوعی

رونے کا مقام ہے ہنسی مصنوعی

دل کو حاصل ہو کیا تصنّع سے فراغ

کھِلتی دیکھی نہیں کلی مصنوعی

(۷۶)

اِس دورِ کمالات میں پسپا ہوں میں
نقشِ قدمِ قدم کا جویا ہوں میں
سائنس کی تم ترقیاں گنواؤ
انساں کی مصیبتوں کو گنتا ہوں میں

(۷۷)

لاہور میں لوگ آرٹ فرماتے ہیں[1]
دوشیزہ کو رقصِ ناز سکھلاتے ہیں
یہ آرٹ وہ ہے کہ جس پہ شرم اور حیا
غیرت سے زمین میں گڑے جاتے ہیں

[1] یہ اُس دَور کی رباعی ہے جب تقسیم ہند سے کئی برس قبل آرٹ اور کلچر کے نام پر لاہور میں رقص و سرود کی محفلیں شروع ہوئی تھیں۔

(۷۸)

جو آرٹ کے سرپرست کہلاتے ہیں

ناموسِ وطن پہ کیوں غضب ڈھاتے ہیں

ہے کون رذیل اُن کو گر کہئے شریف

محفل میں جو لڑکیوں کو نچواتے ہیں

(۷۹)

دوشیزہ سرِ بزم اگر ناچے گی

ہر فردِ اُس کے ہوش کا نظر ناچے گی

کھا جائے گی لغزشِ نگہِ پاک وہیں

جس وقت وہ لچکا کے کمر ناچے گی

(۸۰)

چنچل بے شک بنے ہند کی لڑکی
لیکن نہ ہو جنسِ رہ گذر کی لڑکی
گمر گھاٹ کہاں رہا شرافت کے لئے
جب ناچتی ہو شریف گھر کی لڑکی

(۸۱)

کہلاتی تھی پہلے وہی اچھّی لڑکی
شرم اور حیا کی ہو جو پُتلی لڑکی
افسوس کہ انقلابِ دوراں سے آج
ممتاز ہے رقص کرنے والی لڑکی

(۸۲)

اربابِ خرد نے بات یہ مانی ہے

غارت گرِ ہوش حسنِ نسوانی ہے

کیا گزرے گی تجھ پہ جب ہو وہ مائلِ رقص

صورت جس کی سکوں میں طوفانی ہے

(۸۳)

رعنائی کو جو لباس پنہاں کر دے

بے شک اُسے عاشق کا گریباں کر دے[1]

ملبوس وہی پسندِ خاطر ہے آج

ہر عضو کو جو اور نمایاں کر دے

[1] عاشق کا گریباں کر دے۔ چاک کر دے۔ پھاڑ ڈال

(۸۴)

حیران ہوں میں حُسن کی عُریانی پر

ہنستا ہے حُسن میری حیرانی پر

اِس دَور میں شکوہ بے حجابی کا ہے

محجُوب بہت ہوں اپنی نادانی پر

(۸۵)

عُریانیٔ حُسن پر نہ حیراں ہونا

منظُور ہے گر تم کو سخنداں ہونا

شک اِس میں نہیں ہے کہ بہ تغییرِ حروف

ثابت رعنائی کا ہے عُریاں ہونا

[1] رعنائی کے حروف کے ادل بدل سے لفظ عریاں بن جاتا ہے۔ (محرُوم)

(۸۶)

زاری ہے اگر بلبلِ نالاں کا قصور

ہے خندۂ بے جا گلِ خنداں کا قصور

کیوں میری نگاہ پر ہے سارا الزام

کچھ بھی نہیں حسنِ نیم عریاں کا قصور؟

(۸۷)

زوروں پہ ہے انقلاب حد سے بڑھ کر

حالات ہوئے خراب حد سے بڑھ کر

کیوں عشق حدوں میں اپنی محدود رہے

جب حسن ہو بے حجاب حد سے بڑھ کر

(۸۸)

یہ مُلک تھا پاک آتماؤں کا وطن

یا دیویوں اور دیوتاؤں کا وطن

مغرب کی پیروی سے رفتہ رفتہ

بنتا گیا خوب رُوبلاؤں کا وطن

(۸۹)

وہ لائقِ احترام و برتر اُستاد

اِس دَور میں ہو گیا محقّر اُستاد

اے وائے یہ انقلابِ عبرت انگیز

پہلے ہادی تھا اب ہے نوکر اُستاد

(۹۰)

واللہ کہ ہے عجیب شے آزادی

طاقت کی مگر کنیز ہے آزادی

بن جاتی ہے زہر ناتواں کے حق میں

ازبسکہ ہے تیز و تُند مے آزادی

(۹۱)

ہے دشمنِ پردہ دھر کی نیرنگی

کیوں اہلِ ادب میں ہے یہ خانہ جنگی

سوسائٹی آمادۂ عُریانی ہے

کیا شکوہ جو تصویر بھی اُترے ننگی

(۹۲)

تہذیب کی بے پردہ ادا سے نہ لڑو

تخریب کی پروردہ بلا سے نہ لڑو

دیوانہ کہیں گے اِس زمانے کے لوگ

محروم زمانے کی ہوا سے نہ لڑو

(۹۳)

تغیر پسند ہے زمانے کا مزاج

تبدیل ہوئے جاتے ہیں سب رسم و رواج

پہلے تھا جنونِ عشق عریانی کوش

برہم زنِ ہوش حُسنِ عریاں ہے آج

(۹۸)

مے کشِ چشمِ صنم کو مے خانہ کہے

واعظ اِسی کو گُناہِ رِندانہ کہے

پھر ہوتی ہیں اِس کی مختلف تفسیریں

حیراں ہے عقل کیا کہے، کیا نہ کہے

(۹۹)

کیا جانیے کِس طور رہے باقی جینا

شاداب ہے یا ہے احتراقی جینا

جو کچھ ہے گُزر جائے گا آخر اے دل

مرنا برحق ہے، اِتّفاقی جینا

(۱۰۰)

ایثار کہاں؟ رسمِ نکوئی بھی نہیں

اِس غم میں کسی کی آنکھ روئی بھی نہیں

سب اپنے پرائے بن گئے ہیں ناصح

ہمدردِ مریضِ عشق کوئی بھی نہیں

(۱۰۱)

ہو وہم و خیال کا ٹھکانا کچھ بھی!

دعوٰے کرے کوئی مردِ دانا کچھ بھی

محروم! بقولِ ذوقؔ ہم نے تو یہاں

"جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی"

(۱۰۲)

سنتے رہے سب نوائے سازِ ہستی
ہرگز نہ کھلا کسی پہ رازِ ہستی
دیکھا ہو جس نے وہ بتائے کیا ہے
عنوانِ فسانۂ درازِ ہستی

(۱۰۳)

ہیں نازشِ عمر صبح و شامِ امّید
راحت افزائے جاں ہے نامِ امّید
دنیا امّید پر ہے قائم لیکن
خود وہم و گماں پہ ہے قیامِ امّید

(۱۰۴)

غنچہ کھِلتا ہے، پھُول بن جاتا ہے
نقشِ حُسنِ قبُول بن جاتا ہے
آتی ہے پھر اُس پہ ایک ساعت ایسی
ہو کر پامال دُھول بن جاتا ہے

(۱۰۵)

گھاتیں نہ رہیں، فریب کاری نہ رہے
دولت کا یہاں کوئی پُجاری نہ رہے
قائل ہوں ترقّیِ وطن کے ہم تو
اِس مُلک میں جب کوئی بھِکاری نہ رہے

عظمتِ رام

(۱)

کیا سالکِ باصفا شری رام ہوئے
مشہورِ جہاں خُدا شری رام ہوئے
حیرت ہے کہ وہ ذلیل ہو دُنیا میں
جس قوم کے پیشوا شری رام ہوئے

(۲)

شاہد سے کبھی نہ جام سے پاتا ہے
تسکینِ دل رام نام سے پاتا ہے
کرتا نہیں رم سُوئے خیالِ باطل
آرام جو قُربِ رام سے پاتا ہے

(۳)

کہنے کو تو رام کے پُجاری ہیں ہم

دعویٰ ہے کہ محوِ حق شعاری ہیں ہم

محبوبِ جہاں ہوا جن اَوصاف سے رام

افسوس اُن اوصاف سے عاری ہیں ہم

(۴)

اوتار صداقت اور حق کا تھا رام

راون باطل کا پیکرِ بدانجام

اے پیرو رام، راہِ حق کو مت چھوڑ

راون کی طرح مٹے گا باطل کا غلام

(۵)

اے قومِ زوال دیدہ اُٹھ اب بھی سنبھل

چل سُوئے عروج قعرِ پستی سے نکل

روشن ہے اور صاف تیرا رستہ

ہیں رام کے نقشِ پا درخشندہ کنول

شہیدانِ کربلا

(۱)

ایثار میں کربلا کا جو منظر ہے
لاثانی و بے نظیر و بے ہمسر ہے
راضی بہ مشیّتِ خداوند قدیر
ہے کوئی تو شبّیر ہے وہ کہتر ہے

(۲)

مومن ہے جہاں میں یا کوئی کافر ہے
ایّامِ محرّم میں بچشمِ تر ہے
ہر خُرد و کلاں کو ہے غمِ قتلِ حسینؑ
ہر دل میں داغِ اکبرؑ و اصغرؑ ہے

(۳)

لب تشنہ جو آلِ حضرتِ حیدرؑ رہے

ہر موجِ یمِ فرات کی مُضطر رہے

ایسے میں کاش آسماں رو دیتا

کچھ اور مگر مشیّتِ داور رہے

(۴)

راضی بہ رضا حسینؑ خوش گوہر ہے

مائل بہ جفا یزید کا لشکر ہے

ظالم ہنستے ہیں بے بسی پر اُس کی

نے خوفِ خُدا نہ شرمِ پیغمبرؐ ہے

(۵)

کیوں تیغِ رواں حُسینؑ کے سر پر ہے

اے دورِ زماں یہ نازشِ حیدرؑ ہے

دیکھو! اے ظالمو! کچھ انصاف کرو

مہماں ہے، وطن سے دُور ہے، بے گھر ہے

(۶)

میدانِ وِغا میں آمدِ اکبرؑ ہے

لرزاں اہلِ فریب کا لشکر ہے

دھوکے سے اسے بھی مار ڈالو گے کیا

دیکھو، اندھو، شبیہہِ پیغمبرؐ ہے

(۷)

شبیر کے دوشِ پاک پر اصغر ہے

کتنا دل دوز آہ، یہ منظر ہے

معصوم کا تن ہے خوں فشاں ناوک سے

اور لب پہ تبسّم مہ و اختر ہے

(۸)

باہر خیمے کے کون ننگے سر ہے

شیون جس کا حریفِ محشر ہے

قرباں کئے دو پسر خوشی سے جس نے

بے حال بھتیجوں کی شہادت پر ہے

(۹)

شبیرؑ کے مسلک پہ خرد ششدر ہے
تلوار کی دھار سے بھی نازک تر ہے
اے کشتۂ تسلیم و رضا تجھ پہ سلام
سجدے میں سرِ گلو تہِ خنجر ہے

(۱۰)

نیزے پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا سر ہے
یا بر سرِ کربلا خورِ محشر ہے
دیکھیں گے جزا کے روز جو اہلِ ستم
دھندلا سا عکس اُس کا یہ منظر ہے

اُردُو

(۱)

اُردو کا چمن اُجڑ رہا ہے افسوس

کیا نقشِ حسیں بگڑ رہا ہے افسوس

ہے پیکرِ دل نواز اُردو جس پر

سایہ نفرت کا پڑ رہا ہے افسوس

(۲)

شکوہ ہے بہت سیاستِ دوراں سے

اہلِ دہلی کو دے رہی ہے جھانسے

دلّی پہ ہے فرض احترامِ اُردو

نسبت ہے مادری زباں کو ماں سے

(۳)

اُردو کو اگر یہاں مٹاؤ گے تم
ہرگز اس کا بدل نہ پاؤ گے تم
شیرینیٔ اُردو کو زباں ترسے گی
ہر لحجہ تو پہ مُنہ بناؤ گے تم

(۴)

اُردو سے ہاتھ اگر اُٹھائیں گے ہم
پھر ہاتھ ملیں گے کچھ نہ پائیں گے ہم
بخشا ہے جو طبعِ میر و غالبؔ نے ہمیں
وہ ذوقِ سخن کہاں سے لائیں گے ہم

(۵)

یہ میری زباں ہے، میں سُخنور اس کا

بچپن سے ثنا گو ہوں برابر اس کا

اِک عُمر کی باہمی رفاقت کے طفیل

اُردو پر حق مرا ہے، مجھ پر اس کا

(۶)

جذباتِ کُہن کو دی جِلا اُردو نے

پھیلائی اُمید کی ضیاء اُردو نے

طبعِ آزاد و فکرِ حالی سے ہمیں

درسِ حُبِّ وطن دیا اُردو نے

(۷)

دل جوڑتی زبانِ نعرۂ آزادی

جادو تھی زبانِ نعرۂ آزادی

اب کے بھی، اور سو برس پہلے بھی

اُردو تھی زبانِ نعرۂ آزادی

(۸)

ایسی بھی کہیں کوئی زباں ہوتی ہے

بن سیکھے سکھائے جو رواں ہوتی ہے

ہوتی نہیں کارگر جہاں کوئی زباں

اُردو مشکل کُشا وہاں ہوتی ہے

(۹)

انکار کے ہوتے بھی ہے جاری اُردو

ہے جان و دلِ وطن میں ساری اُردو

سمجھی جاتی ہے ترجمانِ بھارت

کشمیر سے تا راس کماری اُردو

(۱۰)

مقبول ہوئی سخنوروں میں اُردو

کرتی رہی کام دفتروں میں اُردو

موجود ہے منکروں کے جھٹلانے کو

بازار میں، گلیوں میں، گھروں میں اُردو

(۱۱)

اُردو میں تمام گفتگو ہے جن کی

بیوی بچّے ہیں بولتے اُردو ہی

دفتر میں آکے یوں وہ فرماتے ہیں

اُردو اِز ناٹ اے لینگویج آف دہلی[1]

(۱۲)

ہندی کو ہم بھی مرحبا کہتے ہیں

لیکن اک بات برملا کہتے ہیں

دیکھو تو ذرا ستم ظریفی اُن کی

اُردو کو جو اُردو میں بُرا کہتے ہیں

[1] Urdu is not a language of Delhi

(۱۳)

کرتے ہیں جو لوگ دشمنی اُردُو سے

بے جا ہے اُن کی بدظنی اُردُو سے

اس مُلک میں یوں تو بیسیوں ہیں فرقے

اِک قوم اگر بنی، بنی اُردُو سے

(۱۴)

تہذیبِ وطن کی ترجماں ہے اُردُو

سرمایۂ فن کی پاسباں ہے اُردُو

ناثرؔ اس کی لطافتوں پہ ہیں نثار

محبوبِ دلِ سخنوراں ہے اُردُو

(۱۵)

پھینکو جمنا میں اپنی اُردو کی بیاض

ہوتی ہے اسے دیکھ کے ہندی ناراض

اُردو کا بھرم ہی رہ گیا کیا، جب ہو

نہرو کے مقلّدوں کو اِس سے اعراض

(۱۶)

اصلاً عربی نہ فارسی ہے اُردو

پیدا اِسی مُلک میں ہوئی ہے اُردو

کرنا چاہو اگر اِسے تم محدود

دِلّی کی زباں ہے، دہلوی ہے اُردو

اُردو کے حق میں پانچ آوازیں

راوی

کہنا یہ مخالفینِ اُردو کا ہے

اِس شہر کو اُردو سے تعلق کیا ہے

اُردو ہرگز نہیں زبانِ دہلی

اہلِ دہلی کی اور ہی بھاشا ہے

ایضاً

دلّی کو ہے جن پہ ناز کیا کہتے ہیں

پیشینہ سخن طراز کیا کہتے ہیں

اُردو کو کیا جنھوں نے محبوبِ جہاں

وہ پردہ کشائے راز کیا کہتے ہیں

پہلی آواز

حضرت ابوظفر بہادر شاہ ظفر

تھی خواب وخیال بادشاہی میری
شاعر کا غلو جہاں پناہی میری
مٹتی ہے کیوں مری زباں دلّی میں
کیا پہلے کم ہوئی تھی تباہی میری

دوسری آواز

اُستاد ذوق

اُس دور کو اے اہلِ وطن یاد کرو
قدرِ شہِ سینہ چاک بیداد کرو
دلّی میں جو زباں سنواری اُس نے
اے اہلِ دلّی اُسے نہ برباد کرو

تیسری آواز

مرزا غالبؔ

دِلّی میں میرے بعد آنے والو

انصاف کرو نئے زمانے والو

کیا نام و نشاں مرا مٹا دوگے تم؟

اے میری زبان کو مٹانے والو

چوتھی آواز

حکیم مومن خاں مومنؔ

اُردو زینت رہی مری محفل کی

شامل دھڑکن ہے اس میں میرے دل کی

دُور اس سے ہو سایۂ نحوست یارب

صورت کالی نہ ہو مہ کامل کی

پانچویں آواز

مرزا داغؔ

اِس شہر میں برگراں نہیں ہے اُردو
ناخواندہ مہماں نہیں ہے اُردو
لکھے گا نہ دہلوی مرے نام کے ساتھ
دلّی کی اگر زباں نہیں ہے اُردو

پیری

(۱)

عاشق روداد شمع و پروانہ کہیں

پینے والوں کا حق ہے، مستانہ کہیں

دونوں سے ہیں آپ الگ جناب محرومؔ

اپنی پیری کا آپ افسانہ کہیں

(۲)

طفلی تھی وقف ناز و نعمت کے لئے

تھا عہد شباب خواب غفلت کے لئے

پیری ہوئی نذر ضعف پیری، افسوس!

رکھا تھا جسے میں نے ریاضت کے لئے

(۳)

حیران ہوں کیا کیا خدایا میں نے

بے فائدہ عمر کو گنوایا میں نے

پیری بھی قریبِ خاتمہ آ پہنچی

منزل کا نشاں ابھی نہ پایا میں نے

(۴)

اُٹھتی ہی نہیں نظر جھکی جاتی ہے

نادم ہے، خاک پر جھکی جاتی ہے

سر پر ہے عمر بھر کا بارِ عصیاں

پیری میں جو یوں کمر جھکی جاتی ہے

(۵)

دِل سے اب تک شباب کی باتیں ہیں

یعنی وہی اِضطراب کی باتیں ہیں

مذکورِ غمِ عشق پس از عہدِ شباب

صبحِ پیری میں خواب کی باتیں ہیں

(۶)

لب پر اکثر ثواب کی باتیں ہیں

فکرِ روزِ حساب کی باتیں ہیں

لیکن دل میں بغور دیکھا تو وہاں

اب تک لطفِ شباب کی باتیں ہیں

(۷)

طالب دلِ زار شادمانی کا ہے

مقصد کچھ اور زندگانی کا ہے

غفلت میں بسر ہوئی جوانی ساری

ماتم پھر بھی اُسی جوانی کا ہے

(۸)

پیری میں جنُونِ ذوقِ خواری نہ رہا

سودائے نشاطِ مے گسُاری نہ رہا

بالوں پہ آگئی سفیدی یکسر

یعنی دورِ سیاہ کاری نہ رہا

(۹)

شوقِ رسوا نہ ہے جوانی باقی

کم تر ہے نشاطِ زندگانی باقی

یہ قصہ بھی اب تمام ہونے کو ہے

تھوڑی سی ہے اور عمرِ فانی باقی

(۱۰)

افسردہ شباب کا جنوں ہوتا ہے

دل پر اک ماتمی سکوں ہوتا ہے

محروم اس انقلاب پر کیا حیرت

پیری آتی ہے جب تو یوں ہوتا ہے

(۱۱)

راحت سے غرض ہے اِس کو، آرام سے کام

رکھتا نہیں اندیشۂ انجام سے کام

بے کار گزر گئی جوانی ساری

کچھ بھی نہ بن آیا دلِ ناکام سے کام

(۱۲)

طفلی سے، شباب سے گزر آئے ہیں

سیرِ چمنِ حیات کر آئے ہیں

آتا ہے یہ ویرانۂ پیری میں نظر

صیّادِ اجل کی نشست پر آئے ہیں

(۱۳)

روشن تر دیکھنے کی جب تھی صورت

انجامِ شباب کی نہ دیکھی صورت

پیری میں بصارت کی کمی کے باوصف

آتی ہے نظر صاف اجل کی صورت

(۱۴)

جب تک تھے ہم انجان، خوشی کے دن تھے

حسرت تھی نہ ارمان، خوشی کے دن تھے

بچپن کے ساتھ ہو گئے وہ رخصت

دو روز کے مہمان خوشی کے دن تھے

(۱۵)

کس سمت کو اے عمرِ رواں جائے گی؟

کیا وہر سے ہو کے بے نشاں جائے گی؟

کہتے رہے تجھ سے ہم کہ جلدی نہ گزر

گزری ہے تو اب بتا کہاں جائے گی؟

(۱۶)

کچھ منزلِ زیست کا سفر باقی ہے

ساتھ اس کے تغافل بھی مگر باقی ہے

گزری شبِ غفلتِ جوانی، لیکن!

آنکھوں میں نیند کا اثر باقی ہے

(۱۷)

ہر صورتِ حال کا تماشائی ہوں

شاہوں کے مآل کا تماشائی ہوں

احوالِ جہاں بچشمِ عبرت دیکھا

اب اپنے زوال کا تماشائی ہوں

(۱۸)

محرومؔ! یہی ہے عمرِ فانی کا نظام

پیری دیتی ہے سب کو عُزلت کا پیام

پیرانِ کُہن سال کی محفل میں چلو

کالج کو وِداع، نوجوانوں کو سلام

لے عمر کی بنا پر پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ملازمت سے سبکدوشی کا نوٹس ملنے پر۔ (محروم)

(۱۹)

اے عمرِ رواں طلسم ٹوٹا تیرا

سامانِ بقا اجل نے لوٹا تیرا

لے، ہم بھی چلے ہیں تجھ سے رخصت ہو کر

منزل کے قریب ساتھ چھوٹا تیرا

(۲۰)

جو نشّے شباب میں چڑھا کرتے ہیں

تا آخرِ عمر وہ رہا کرتے ہیں

خدشہ ہے ابھی بتوں کا دل میں باقی

پیری میں جو ہم خدا خدا کرتے ہیں

(۲۱)

پیری کو گزار شادمانی کے ساتھ

لازم تھا یہ دَورِ عمرِ فانی کے ساتھ

افسانۂ حُسن و عشق پیری میں نہ چھیڑ

موزوں یہ کہانی تھی جوانی کے ساتھ

(۲۲)

واپس نہ ہُوا، گیا ہے جو دم، بابا

یوں زیست کی محفل ہوئی برہم، بابا

جب اور بزرگی نہ میسّر آئی

بالوں کی سفیدی سے ہوئے ہم بابا

(۲۳)

آئے جو زیست میں مراحل درپیش

آئیں گے نہ پھر پلٹ کے اے دل درپیش

ذکر اُن کا چھوڑ، فکر کر اب اُس کی

پیری کے بعد ہے جو منزل درپیش

(۲۴)

عمرِ انساں ہے یا غمِ پیہم ہے

ہر مرحلۂ حیات وقفِ غم ہے

بے چین شباب تھا غمِ طفلی میں

پیری ہے اور شباب کا ماتم ہے

(۲۵)

پیری میں جو یہ دُھواں دُھواں عالم ہے
روشن ہے کہ آنکھوں میں بصارت کم ہے
دل کے داغو، تمہیں اُجالا کر دو
لو شمعِ حیات میں اگر مدّھم ہے

(۲۶)

جس دن سے عصا ہوا سہارا اپنا
تضحیک انگیز ہے نظارا اپنا
پیری نے کیا ہے شہرِ تن پر قبضہ
اِس شہر میں اب نہیں گزارا اپنا

(۲۷)

پیری نے کیا نڈھال، اب حال ہے یہ

دشوار ہے قیل و قال، اب حال ہے یہ

کیا کہیے کہ ہے زبانِ گویا خاموش

گویا ہے زبانِ حال، اب حال ہے یہ

شعر و شاعری

(۱)

ہم نے بھی کھِلائے ہیں چمن دیکھو تو

اشعار کے سرو اور سمن دیکھو تو

الفاظ و معانی ہیں گُل و نکہتِ گُل

اے حُسن شناسانِ سخن دیکھو تو

(۲)

شاعر ہوں، شاعری میں اُستاد نہیں

گو نقدِ سخن ہے پاس، نقّاد نہیں

سو واکب سے ہے شاعری کا مجھ کو

مُدّت اتنی ہوئی کہ کچھ یاد نہیں

(۳)

پیدا فکر و نظر سے ہوتا ہے سخن
دل کش اپنے اثر سے ہوتا ہے سخن
ہرگز یہ نہیں قافیہ پیمائی کا فن
رنگیں خونِ جگر سے ہوتا ہے سخن

(۴)

مستوں کی رُباعیاں ہیں مستی سے بھری
صد گونہ نشاطِ مے پرستی سے بھری
محروم تری رُباعیاں ہیں لیکن
بے منتِ مے سرورِ ہستی سے بھری

(۵)

شغلِ اپنا لڑکپن سے ہے تزئینِ اَدَب
ملحوظِ ادب رہا ہے آئینِ اَدَب
ڈرتے ہیں مشاعروں میں پڑھتے ہوئے شعر
کر دے کوئی کہیں نہ توہینِ اَدَب

(۶)

تحسینِ سخن شناس ہے جانِ سخن
محتاجِ مشاعرہ نہیں شانِ سخن
ہوتی ہیں مشاعرے میں جتنی "واہیں"
اتنے تو نہیں اداشناسانِ سخن

(۷)

محروم، مشاعرے میں جانا ہے اگر

کیا ہرج ہے، آتا تمھیں گانا ہے اگر

گانا نہیں آتا تو نہ جانا ہرگز

اپنی تمھیں آبرو بچانا ہے اگر

(۸)

موزوں اشعار اگرچہ کرتا ہوں میں

کچھ رنگ نیا بھی اُن میں بھرتا ہوں میں

تقطیع کی تکلیف نہ دینا مُجھ کو

اے اہلِ عرُوض، تُم سے ڈرتا ہوں میں

(۹)

آتی نہیں شاعری کسی حکمت سے

جوہر ملتا ہے یہ بڑی قسمت سے

اوزان کا علم کیوں کتابوں میں پڑھیں

طبعِ موزوں ملی ہو جب قُدرت سے

(۱۰)

غم خانۂ فکر کی بِنا خود ڈالی

جس روز سے ہم نے شاعری اپنالی

پھر اُس پہ تخلّص بھی کیا تو محرومؔ

جس کے پانچوں حروف نکلے خالی

(۱۱)

میں نے جو رموزِ شعر میں کھولے ہیں

ہر چند بہ میزانِ خرد تولے ہیں

اب جائزہ اعمال کا اپنے لے کر

کہتا ہوں بڑے بول بہت بولے ہیں

(۱۲)

شاعر کے تخیّل میں بھی اعجاز ہے کیا

سازِ ازَلی پہ نغمہ پرواز ہے کیا

مہر و مہ و پروِیں پہ گزر ہے اُس کا

بے پر ہے مگر طاقتِ پرواز ہے کیا

(۱۳)

مُمتاز بہت عوام سے ہے شاعر

پائندہ خود اپنے نام سے ہے شاعر

خضر و آبِ بقا کا محتاج نہیں

زندہ اپنے کلام سے ہے شاعر

(۱۴)

انجامِ حیات جو پسِ پردہ ہے

معلوم نہیں بُرا ہے یا اچھا ہے

کی عُمر تمام شاعری میں ہم نے

باتوں باتوں میں یہ سفر کاٹا ہے

(۱۵)

محروم! جہاں لے کے قضا جائے گی

واں شاعری واعری نہ کام آئے گی

پیری ہے فکرِ عاقبت کر نا داں!

کیا فکرِ سخن نجات دلوائے گی؟

(۱۶)

موزوں ہم نے کیے ہیں اشعار بہت

ضائع کر دی ہے عُمر بیکار بہت

اب فکرِ سخن کہاں، جوانی نہ رہی

پیری کے لئے اور ہیں افکار بہت

(۱۷)

ہے شعر و سخن کو فکرِ رنگیں درکار

یہ پھول کھلاتی ہے جوانی کی بہار

دامانِ خزاں میں گُلِ خوش رنگ کہاں

پیری میں کہاں سے لائیں رنگیں اشعار؟

(۱۸)

پائندہ حقائق کو بزورِ تخییل

جذبات میں کرتا ہے سخنور تحلیل

پھر قالبِ موزوں میں ہیں ڈھلتے جذبات

یوں ہوتی ہے نظمِ دل نشیں کی تشکیل

(۱۹)

گو حُسنِ عمل کا ترجماں ہے شاعر

میدانِ عمل میں بر کراں ہے شاعر

فقدانِ عمل کا اِس کو الزام نہ دو

دستِ عامل نہیں زباں ہے شاعر

(۲۰)

سنگِ خارا کی رگ سے پانی کی اُمید

ساحل سے موج کی روانی کی اُمید

رکھنا بے شک، مگر نہ رکھنا ہرگز

جاہل سے سخن کی قدردانی کی اُمید

(۲۱)

مدّت سے غمِ نہاں ہے غم خوار مرا

دل خنجرِ یاس سے ہے افگار مرا

اے بزمِ سخن! نہیں ہوں تیرے قابل

اب ذوقِ نوا سے دل ہے بیزار مرا

نصائح

(۱)

واعظ نہ سہی سخن ور نکتہ سرا

ناصح سے بھی راستہ سہی اُس کا جُدا

یہ بھی تو ہے بے جا کہ وہ ناشر بن جائے

رندی و سیاہ کاری و مستی کا

(۲)

اعمال کا اپنے ہو محاسِب انساں

نفسِ امّارہ پہ ہو غالب اِنساں

ہو دشمنِ رحم خود تو پھر کس مُنہ سے

اللہ سے رحم کا ہو طالب انساں

(۳)

بہبودِ معاد کی کوئی بات کریں

تا وقتِ وداعِ جاں نہ ہیہات کریں

خدشہ ہے نفسِ دُوں کا لیکن کب تک؟

جب تک خود اس کی ہم مدارات کریں

(۴)

کیا تجھ کو؟ جو کوئی ہے بداعمال اے دوست

کر اُس کے حساب کی نہ پڑتال اے دوست

مائل جو کسی کی عیب جوئی پہ ہو دل!

مُنہ اپنے گریباں میں وہیں ڈال اے دوست

(۵)

رکھّیں انصاف کو عزیزِ جاں ہم

لائیں نہ زباں پہ شکوۂ دوراں ہم

اوروں سے ہیں جس سلوک کے خواہاں ہم

اوروں سے وہی کریں تو ہیں انساں ہم

(۶)

لازم ہے بشر کو خاکساری کا چلن

تن تن کے نہ چل کہ آخر کار یہ تن

ہر چند ہو پروردۂ انواعِ نِعَم

ہو جائے گا لقمۂ دہانِ مدفن

(۷)

یہ گوشت کا اور پوست کا پیراہن

صد حیف کہ ہو کبر و منی کا مسکن

نورِ دانش سے جن کے دل ہیں روشن

وہ اس کو سمجھتے ہیں چِتا کا ایندھن

(۸)

آئینۂ دل کو گردِ کیں سے رکھ صاف

کر دے اہلِ ریا کے کینوں کو معاف

دُنیا میں نہ کر کسی سے بے اِنصافی

دُنیا سے مگر نہ رکھ اُمیدِ انصاف

۹

فطرت کی دی ہوئی مسرّت کھو کر

اوروں کو نہ کر ملول غمگیں ہو کر

یہ عمر بہر حال گزر جائے گی

ہنس ہنس کے اسے گزار یا رو رو کر

(۱۰)

مُضطر نہ مصیبتوں میں ہرگز ہو بشر

بڑھ جاتا ہے اِس سے اور کُلفت کا اثر

تڑپے گر دام میں بہت مُرغِ اسیر

اُلجھن پیش آئے گی اُسے اُلجھن پر

(۱۱)

راحت آزار ہے محنت کے بغیر

تن رُوح پہ بار ہے طہارت کے بغیر

تسکیں نہیں رُوح کی عبادت کے بغیر

اک وہم عبادت ہے ریاضت کے بغیر

(۱۲)

ہوتا ہے رہینِ رنج۔ راحت کا غلام
مُفلس دِل کا ہے مال و دولت کا غلام
ہے یوں تو بُری ہر اک غُلامی لیکن
ہے سب سے بُرا خراب عادت کا غلام

(۱۳)

عُجب و مستی کا جِن پہ طاری ہے خواب
وہ صحبتِ باہمی سے ہوتے ہیں خراب
یہ نکتہ مِلا ہے میکشوں سے ہم کو!
باہم نا ساز ہیں ہوا اور شراب

(۱۴)

تسکیں ممکن نہیں قناعت کے بغیر

پھر بھی مشکل ہے زیست دولت کے بغیر

محنت سے جو ہاتھ آئے دولت ہے وہی

ہے مالِ حرام، اگر ہے محنت کے بغیر

(۱۵)

رحم و راہِ کرم سے غافل نہ رہے!

آہِ دلِ پُر الم سے غافل نہ رہے

احساسِ غم اس لئے ملا ہے اس کو

انساں انساں کے غم سے غافل نہ رہے

(۱۶)

بے جا نہیں گر نگاہِ صحّت پر ہے
دانا ہرگز نہیں جو تن پرور ہے
جاں شعلۂ لازوال ہے، پال اس کو
تن آخرِ کار مُشتِ خاکستر ہے

(۱۷)

دُنیا میں ہے اک بلائے بد غیبت بھی
پیدا جھگڑے بھی کرتی ہے نفرت بھی
غیبت کو بنا لیا ہے جس نے ہمدم
بُزدل انساں ہے اور بدنیّت بھی

(۱۸)

شہرت طلبی ہے ایک سودائے خام

رہتا ہے اِس سے آدمی بے آرام

آغاز، مخالفت کی صَف آرائی

آخر بے اعتنائی اِس کا انجام

(۱۹)

گُستاخ سے کِس لئے بِگڑتا ہے تُو

کیا تیرا بگاڑے گا کوئی بَدخُو

بدتر ہے خوشامدی اِسے مُنہ نہ لگا

ہے اپنے ضمیر کا بھی، تیرا بھی عدُو

(۲۰)

کہنے لگے اِک دوست کہ مَیکش ہے فلاں

کیوں آپ اُسے کہتے ہیں اچھّا انساں

یوں میں نے کہا، مَے بھی کسوٹی ہے ایک

پہچان ہے نیک و بد کی جس سے آساں

(۲۱)

نفرت رِندی سے گو تجھے ہے محروم

مَیکش ہیں کئی تجھ سے زیادہ معصوم

گزری ہے عمر تذرسے میں تیری

مے خانے کے اسرار تجھے کیا معلوم

(۲۲)

محفوظ رہے دل جو ہو قابو میں نظر

پھر کوئی ہو دلستاں نہ کوئی دلبر

دیکھا ہے کہ آتی ہے تباہی اکثر

آنکھوں کی راہ سے دلِ انساں پر

(۲۳)

اِس بزم میں روئے ہیں بہت ہنس ہنس کر

غفلت کی ہنسی نہ اس قدر ہنس بس کر

دیکھ اُن کے کھنڈر بچشمِ عبرت، غافل!

اُجڑی ہیں جو بستیاں یہاں بس بس کر

(۲۴)

منظور نہ کر اپنے کیے کا الزام

ہے زحمتِ سر اپنے کیے کا الزام

اِنسان کو ابلیس سکھاتا ہے یہی

اللہ پہ دھر اپنے کیے کا الزام

(۲۵)

ہے خوب وہ طبع جس میں رنگینی ہے

سامانِ ستائش خرد آئینی ہے

سب سے ہُشیار ہے مگر وہ انساں!

جس کو سودائے عاقبت بینی ہے

(۲۶)

دیوانۂ ہر لذّتِ مذموم رہا

پروانۂ ہر طلعتِ موہوم رہا

باتیں تو بنائیں خوب تُو نے محرم

لیکن حُسنِ عمل سے محروم رہا

(۲۷)

ہو جائے نمائشِ طرحداری بند

یوں ہو گی جوانوں کی غلط کاری بند

ناموسِ وطن کا یہ تقاضا ہے کہ ہو

بازار میں حُسن کی خریداری بند

(۲۸)

گو ہاتھ میں لے کے آئیں دامنِ مہ نو

بدلے گا نہ قانونِ عمل وقتِ درو

گندم بوتے تو کاٹ لیتے گندم

جَو بوئے تھے کاٹنے پڑیں گے اب جَو

(۲۹)

یہ آتشِ سیّال بنامِ مئے ناب

کب چھوڑتی ہے، جگر نہ جب تک ہو کباب

جینا منظور ہے تو پینا چھوڑو

کھا جاتی ہے جلد نوجوانوں کو شراب

(۳۰)

دُنیا کو سمجھ نہ منزلِ امن و اماں
ہر گام پہ سامنا خطر کا ہے یہاں
سُرخی، جسے خطرے کا نشاں کہتے ہیں
ہر شام و سحر رنگِ شفق سے ہے عیاں

(۳۱)

اُس شہر کے مانند دلِ انساں ہے
آباد کبھی ہے جو کبھی ویراں ہے
بہتر ہے کسی شغل میں مصروف رہے
خالی ہو تو کارخانۂ شیطاں ہے

یادِ رفتگاں

یوں شام و سحر ہوئے جاتے ہیں

ایام یونہی بسر ہوئے جاتے ہیں

جب سے ہوئے دور ہم سے مرنے والے

ہم اُن سے قریب تر ہوئے جاتے ہیں

مرثیہ اقبالؒ

۱۹۳۸ء

(۱)

اِقبال کی موت پر بپا ماتم ہے
اے اہلِ وطن بہت بڑا ماتم ہے
نغموں سے کہو کہ آج نالے بن جائیں
رضوانِ ریاضِ شعر کا ماتم ہے

(۲)

تھی باعثِ نازشِ وطن ذات تری

ہاں ذات تھی مجمعِ کمالات تری

ہر بات تری تھی بہرِ تزئینِ وطن

اقبالِ سخن طراز کیا بات تری

(۳)

اونچا سب سے کہیں ترا مسلک تھا

اوجِ اہلِ یقیں ترا مسلک تھا

آتی ہے صدا بانگِ درا سے پیہم

حبِّ وطن اوّلیں ترا مسلک تھا

(۴)

روشن کیا خوب نامِ مشرق تُو نے

کردی پُر نُور شامِ مشرق تُو نے

اے شاعرِ بے مثال! صدیوں کے بعد

مغرب کو دیا پیامِ مشرق تُو نے

(۵)

ایقان کو پستی سے نکالا تُو نے

اور اُس کو دیا مقامِ بالا تُو نے

کرتے ہیں ہم وطن کی جس میں پُوجا

تعمیر کیا ہے وہ شِوالا تُو نے

(۶)

کم تر ہے حکیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں
یا لعلِ کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں
اللہ سے ہم سخن ہُوا تُو، اکثر
زیبا ہے کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں

منشی مہاراج بہادر برق دہلوی

(۱)

وہ طبع رواں، وہ خوش بیانی تیری
وہ نکتہ رسی، وہ نکتہ دانی تیری
اے برق ترا شباب میں مرجانا
تھی چشمک برق زندگانی تیری

(۲)

برقِ مرحوم کی جو یاد آتی ہے

محروم! دلِ زار کو تڑپاتی ہے

وہ طبعِ شگفتہ اور خنداں چتون

بجلی سی خیال میں چمک جاتی ہے

(۳)

اے برقِ نظر فروز تجھ کو کھو کر

احباب ترے بیٹھے ہیں بے بس ہو کر

کیا یاد ہماری بھی کبھی آتی ہے

کرتے ہیں یاد تجھ کو ہم رو رو کر

(۴)

دہلی میں بھی شاداں دلِ محروم نہیں
جویا کسی چیز کا ہے معلوم نہیں
پوچھا بہ صد اصرار تو پایا یہ جواب
کیا آپ کو یادِ برقِ مرحوم نہیں

(۵)

باہم ترے سوگوار ہیں محفل میں
شاملِ احباب ہیں غمِ شامل میں
محشر برپا کیے ہوئے ہے اے برقؔ
ماتم تری مرگِ ناگہاں کا دل میں

(۶)

ہاں، اور تڑپ، صورتِ سیماب تڑپ

یا مثلِ ماہیانِ بے آب تڑپ

برقِ مرحوم کی ہے برسی کا دن

پہلے سے سوا اے دلِ بے تاب تڑپ

(۷)

کیوں کر ہو عیاں ملال میرے دل کا

ہے غرقِ محن خیال میرے دل کا

برسی ہے آج برق سے مشفق کی!

محروم! نہ پوچھ حال میرے دل کا

(۸)

اظہار سے دُور باکمالی ہے ابھی

جو پائے شعور فکرِ عالی ہے ابھی

اے برقِ سخن طرازِ کیواں پرواز

دلّی میں ترا مقام خالی ہے ابھی

(۹)

دم سے ترے لطفِ گفتگو بھی ہوتا

قائل تری طبع کا عدو بھی ہوتا

بزمیں شعر و سخن کی ہیں گرم اے برقؔ

دلّی میں کاش آج تُو بھی ہوتا

منشی پریم چند

پائی تھی ادب کی جو سعادت تُو نے
کی اُس سے وطن کی خُوب خدمت تُو نے
کیا ہم سے ہو پریم چند تیری توصیف
افسانے کو کر دیا حقیقت تُو نے

آہ! عبدالقادر

لاہور سے کیا بُری خبر آئی ہے
دُنیا تاریک پھر نظر آئی ہے
رخصت ہوئے آہ! شیخ عبدالقادر
دل ٹُوٹ گیا ہے آنکھ بھر آئی ہے

(۲)

تھا علم و ادب کی روشنی کا مینار

پھیلائے تھے دُور دُور جس نے انوار

اندھیر ہے کس قدر کہ اے دشتِ فنا

بیداد سے تیری ہو گیا وہ مسمار

(۳)

افسوس کہ اردو کا نگہباں نہ رہا

شاعر گر و نقّاد و سخنداں نہ رہا

بے صدر ہوئی انجمنِ علم و ادب

یعنی ادب آموزِ ادیباں نہ رہا

(۴)

تعمیرِ ادب کہ خدمتِ انساں تھی
آغازِ شباب سے عزیزِ جاں تھی
نایاب ہیں آج اس روش کے انساں
انسانیت اُس کی ذات پر نازاں تھی

(۵)

یکساں دلِ اپن و آں کا وہ پیارا شیخ
تہذیبِ کہن کا پیکرِ زیبا شیخ
تھا کوئی اگر تو تھا وہ عبدالقادر
شاعر مدّاح جس کے ہوں ایسا شیخ

بھگت سنگھ کی یاد میں

(۱)

زنداں میں شہیدوں کا وہ سردار آیا

شیدائے وطن پیکرِ ایثار آیا

ہے دار و رسن کی سرفرازی کا دن

سردار بھگت سنگھ سرِ دار آیا

(۲)

تا دار و رسن شوق سے اِٹھلا کے گیا

تو شانِ شہادت اپنی دِکھلا کے گیا

ٹکڑے ہوتا ہے دل ترے ماتم میں

لاشے کا انگ انگ کٹوا کے گیا

(۳)

پی کر مئے شوق جھومنا وہ تیرا

بے پروایانہ گھومنا وہ تیرا

ہے نقش ترے اہلِ وطن کے دل پر

پھانسی کی رسن کو چومنا وہ تیرا

(۴)

جامِ حبِّ وطن کے اے متوالے!

اے پیکرِ ناموس، حمیّت والے

ہو عالمِ ارواح میں شاداں کہ نہیں

اب تیرے وطن میں وہ حکومت والے

(۵)

وہ دَورِ شباب، حُسنِ مردانہ ترا

لب ریزِ شرابِ شوق پیمانہ ترا

تاریخِ وطن میں اے وطن کے جاں باز

مرقوم لہُو سے ہوگا افسانہ ترا

صفی لکھنوی کی یاد میں

فخرِ[1] شعرائے لکھنوی یاد آیا
وہ شاعرِ وردِ زندگی یاد آیا
اشعار دلوں سے آہ بن کر نکلے
اربابِ سخن کو جب صفی یاد آیا

[1] دہلی میں ایک بار یومِ صفی منایا گیا۔ اس تقریب پر یہ رباعی موزوں ہوئی۔ (محروم)

آغا شاعرِ دہلوی

(۱)

انوارِ ازل کا ہو جو شیدا شاعر
اِک معنیِ روشن ہے سراپا شاعر
ایسے ہی شاعروں میں ہے نام اُن کا
دہلی میں ہوئے ہیں وہ جو آغا شاعر

(۲)

نظم اور غزل میں ہو جو یکتا شاعر

پیدا ہوتا ہے کوئی ایسا شاعر

قادر تھے نظم اور غزل دونوں پر

دہلی کے شاعروں میں آغا شاعر

(۳)

بعد اُن کے ہوئے بہت سے پیدا شاعر

لیکن نکلا نہ کوئی اُن سا شاعر

دہلی میں یاد آئے ہم کو اکثر

فخرِ دہلی جنابِ آغا شاعر

بر وفات شری دیش بندھو گپتا

(۱)

کیا عالمِ ابتلا ہے دہلی میں آج
اک محشرِ غم بپا ہے دہلی میں آج
تڑپا گئی سب کو دیش بندھو کی موت
ہر ذرّہ تڑپ رہا ہے دہلی میں آج

(۱)

آمادہ رہا وطن کی خدمت کے لئے
دولت کے لئے جیا نہ شہرت کے لئے
بے وقت وفات دیش بندھو کی ہے
اِک حادثۂ عظیم مِلّت کے لئے

(۲)

خدمت سے وطن کی تُو جو مخدوم ہُوا
رُتبہ تیرا وطن کو معلوم ہُوا
ڈیرا ہے دلِ اہلِ وطن میں تیرا
چشمِ ظاہر میں گرچہ معدوم ہُوا

(۴)

ماتم کی صدا اٹھا کرے گی برسوں

ہوگی غمناک تیری برسی برسوں

دہلی کے رہنمائے محبوب! تجھے

رو رو کے کرے گی یاد دہلی برسوں

(۵)

ہے یوں تو قضا سے کوئی چارہ نہ مفر

اس بات سے بھی نہیں ہے انکار مگر

مرتے ہیں تو ویراں نظر آتا ہے جہاں

ہمدرد بشر کے نیش بند ہوسے بشر

انتقال حضرت سیماب اکبرآبادی

(۱)

قصرِ شعر و سخن کا معمار گیا

افسوس کہ سیماب سا فن کار گیا

بزمِ علم و ادب میں ماتم ہے بپا

بزمِ علم و ادب کا سردار گیا

(۲)

تاراجِ خزاں ہوا گلستانِ ادب

روتے ہیں آج قدر دانانِ ادب

معلوم نہیں کہ اب رہے یا نہ رہے

سیماب کے دم قدم سے تھی شانِ ادب

(۳)

اے شاہدِ شعر! تجھ پہ ہیں گرچہ نثار

اِس دور کے شاعرانِ شیریں گفتار

اِس بات سے تجھ کو بھی نہ ہوگا انکار

سیماب کے فکر نے دیا تجھ کو وقار

یادِ ضیا

(صدیق حسن ضیا کی برسی پر)

(۱)

اک شاعرِ خوش نوا کی برسی ہے آج
اک صوفیِ باصفا کی برسی ہے آج
تازہ صدمہ ہے اہلِ دِل کے دل پر
صدّیق حسن ضیا کی برسی ہے آج

(۲)

اللہ رے آب و تابِ اشعارِ ضیا
تھی ابرِ رواں طبعِ گہر بارِ ضیا
ہیں دیدہ و دل آج بھی روشن اُن سے
اشعارِ ضیا ہیں یا ہیں انوارِ ضیا

(۳)

تھا سوئے چمن بادِ صبا کا آنا

یا دل میں یادِ دل رُبا کا آنا

بھولے گا نہ اربابِ سخن پرور کو

بزمِ شعرا میں وہ ضیا کا آنا

(۴)

ٹوٹے ہوئے ساز کی صدا باقی ہے

مے اُڑ گئی اور اُس کا نشا باقی ہے

ہر چند ہے خوابیدہ تہِ خاک ضیا

ہنگامۂ محفلِ ضیا باقی ہے

مرزا غالب

(۱)

بادل ترے نام کا گرجتا ہے ابھی

ڈنکا تری شاعری کا بجتا ہے ابھی

ہر موسمِ گُل میں اے غزل خوانِ بہا

پھُولوں سے ترا مزار سجتا ہے ابھی

(۲)

کب حُسنِ کلام بے اثر جاتا ہے

کام اپنا بے دریغ کر جاتا ہے

شاید ہے ترا سخن نگاہِ خُوباں

جو دل سے تا جگر اُتر جاتا ہے

(۳)

گو سہل نہیں ترا سمجھ میں آنا

مُمتاز ہوا وہ جس نے کچھ بھی جانا

دن رات کی بے خودی کے طالب تُجھ کو

اسرارِ خودی کے عاشقوں نے مانا

(۴)

آئے ہیں بہت سخن سرا تیرے بعد

انداز ترا نہ چل سکا تیرے بعد

خونِ دلِ عُشّاق سے ایثار گیا

ار زندہ ہوا رنگِ حنا تیرے بعد

(۵)

ہر چند تہِ خاک ہے مدفن تیرا

ہمدوشِ ثریّا ہے مگر فن تیرا

نغمات ترے ہیں ترجمانِ فطرت

فردوسِ ادب میں ہے نشیمن تیرا

(۶)

رُوداد تری ہر اک فسانے سے الگ

دیوان ترا ہر نگار خانے سے الگ

مشہور زمانے میں ہے یہ قول کہ ہے

اندازِ بیاں ترا زمانے سے الگ

(۷)

دکھلائے نہیں فقط حسینوں کے ناز

دل تھا ترا زمزمۂ ہستی کا ساز

سینہ ترا باوجودِ شغلِ مے و جام

تھا گنجِ گراں قدرِ گہرہائے راز

(۸)

گلزارِ سخن سے پھول جو چُنتے ہیں

بُلبل کی نوائیں تیری لے سُنتے ہیں

مفہوم ترا سمجھ نہیں پاتے جو!

وہ بھی ترے اشعار پہ سر دُھنتے ہیں

(۹)

دل دادہ جو تیرے حُسن دیواں کا ہو

محتاج نہ وہ گُل و گلستاں کا ہو

دیکھے جو تری شگفتگی اُس کے لئے

جنّت گلدستہ طاقِ نسیاں کا ہو

(۱۰)

دُنیائے سخن ہوئی گُلستاں تجھ سے

لیتے ہیں رنگ و بُوغزلخواں تجھ سے

تجھ سے ہیں گرمیِ نوا کے شُعلے

خاشاک و خسِ چمن چراغاں تجھ سے

حضرت بہادر شاہ ظفر کی صد سالہ برسی پر

(۱)

درویش صفات شہر یارِ دہلی
تھی ذات تری صد افتخارِ دہلی
سو سال گزر گئے مگر ہے اب تک
قائم ترے نام سے وقارِ دہلی

(۲)

جب تک ہے فلک شمس و قمر پہ نازاں

جب تک ہے زمیں لعل و گہر پہ نازاں

لاریب رہے گی عالمِ امکاں میں

دِلّی نامِ شہ ظفر پہ نازاں

(۳)

یہ شہر جو تیرے ساتھ برباد ہوا

ویسے نہ بسا اگرچہ آباد ہوا

اُس دَور کی یاد اِسے رُلاتی ہے لہو

جب تُو ہدفِ ناوکِ بیداد ہوا

(۴)

مَر کر بھی جزا دارِ محن میں نہ مِلی

بُوئے عطرِ وطن کفن میں نہ مِلی

کیوں اہلِ وطن نہ روئیں قسمت پہ تری

دو گز بھی زمیں تجھے وطن میں نہ مِلی

(۵)

اُردو پہ کیا ہے تُو نے احسانِ عظیم

اِس گُل کو کیا شگفتہ مانندِ نسیم

دھڑکن شامل ہے اِن میں تیرے دل کی

دِلّی کا دل ہیں تیرے دیوانِ عظیم

(۶)

اے شاہِ ادب نواز، تجھ پہ ہو سلام
جم جاہِ سخن طراز، تجھ پہ ہو سلام
ہیں مہر و وفا کے نقش تیرے اشعار
اے پیکرِ سوز و ساز، تجھ پہ ہو سلام

(۷)

اے خسروِ ذی مقام، تجھ پہ ہو سلام
اے شاعرِ خوش کلام، تجھ پہ ہو سلام
وہ جورِ فلک، وہ صبرِ ایوب ترا
اے مستحقِ سلام، تجھ پہ ہو سلام

انتقالِ حضرت بیخودؔ دہلوی

(۱)

بیخودؔ نے کیا جو قصدِ راہِ مرقد
ہم کو بھی ہُوا ملال اِس کا بے حد
اب کس پہ کریں گے ناز دِلّی والے
ہیہات، مِٹی زبانِ دہلی کی سَنَد

(۲)

بیخود کو دیا تھا حق نے یہ ذوقِ نہاں

سو سال کی عمر میں طبیعت تھی جواں

دیوار و درِ دہلی سے آتی ہے صدا

ہے آج سے گُنگ لال قلعے کی زباں

(۳)

بیخود بھی گیا جو تھا زباں دانِ وطن

وقفِ ماتم ہوئے ادیبانِ وطن

مرگِ خواجہ حسن نظامی کے بعد

یہ موت ہوئی مزید نقصانِ وطن

رام بابو سکسینہ مصنّف تاریخِ اُردو

(۱)

یک جاہلِ وطن کو اُردو نے کیا!
یہ کام نہ مُسلم نے نہ ہندو نے کیا
اُردو کا ہے تنظیمِ وطن پر احساں
احساں اُردو پہ رام بابو نے کیا

(۲)

اُردو ہے جسے پسند باپو نے کیا

باپو نے جو کہا سو نہرو نے کیا

اُردو ہے اگر محسنِ تہذیبِ وطن

اِحساں اُردو پہ رام باپو نے کیا

(۳)

اقوامِ وطن کو رام اُردو نے کیا

جادو سا اِس زبانِ دل جُو نے کیا

کیا خُوب لکھی ہے اِس کی دل کش تاریخ

احساں اُردو پہ رام باپو نے کیا

شیام لال روشن دہلوی

وہ اوجِ ظرافت کا ستارا روشن

تھا بزمِ سخن میں جلوہ آرا روشن

کیوں چھین کے لے گئی ہے ہم سے اے موت!

ایّامِ شباب میں ہمارا روشن

یادِ قدوائی

رفیع احمد قدوائی کی برسی پر

(۱)

راشن کی قطار مظہرِ خواری تھی
پہلو میں اس کے چور بازاری تھی
اعجازِ رفیع نے دکھایا، ورنہ
یہ بھوک تو لاعلاج بیماری تھی

(۲)

تھے قحط کے گرداب میں ہم غرقِ محن

چکّر میں تھا جہازِ اُمّیدِ وطن

آخر اک باخُدا کی ملّاحی سے

ساحل نے کیا دراز اپنا دامن

(۳)

منّت غیروں کی کیوں قبولیگی یہ قوم

گہوارۂ اقبال میں جُھولیگی یہ قوم

جس نے راہِ فراغ دکھلائی اُسے

احسان رفیع کا نہ بُھولیگی یہ قوم

ماتمِ مخمور دہلوی

(۱)

اک شاعرِ خوش نوا کا ماتم ہے آج
فن کارِ غم آشنا کا ماتم ہے آج
نغمے نالوں میں ہو رہے ہیں تبدیل
مخمورِ غزل سرا کا ماتم ہے آج

(۳)

دلّی کا دل رُبا غزل خواں نہ رہا

جس پر حُسنِ غزل تھا نازاں نہ رہا

مے خانۂ شعر میں ہے ماتم برپا

مخمورِ سخن سنج و سخنداں نہ رہا

(۴)

یہ کون گیا ہے آج مے خانے سے

گرتے ہیں لہو کے اشک پیمانے سے

اب میکدۂ غزل میں بیٹھے گا کون

ویرانہ ہے مخمور کے اُٹھ جانے سے

(۴)

دلّی کے دل آرا نے وطن کو چھوڑا

شغلِ آرائشِ سخن کو چھوڑا

اے بلبلِ گلزارِ سخن اے مخمورؔ!

کیوں تُو نے بہارِ چمن کو چھوڑا

(۵)

دامن پھولوں نے چاک کر ڈالے ہیں

غنچے خاموش تعزیت والے ہیں

سوزِ غمِ مخمورؔ میں بیکل ہے بہار

بُلبل کی زباں پہ آتشیں نالے ہیں

(۶)

بزمِ ذوقِ غزل سے مخمورؔ گیا

شمعِ حسنِ خیال کا نُور گیا

محفل میں اُس کو اے بُلانے والو

مخمورؔ بہت دُور، بہت دُور گیا

(۷)

اے آہ، نوائے آتشینِ مخمورؔ

وہ گردشِ چشمِ شبنمینِ مخمورؔ

وہ سازِ رباب نہ وہ صدا باقی ہے

کیا سوچ رہے ہو سامعینِ مخمورؔ

(۸)

پُرکیف تھا اندازِ نوائے مخمور

بہروں رہتے تھے سُننے والے مسحور

سنسان لحد میں جا کے اب سو جائے

افسوس مشیّت کو یہی تھا منظور

(۹)

یوں دادِ سخن وہ برملا دیتا تھا

ہر شعرِ حسین پہ مُسکرا دیتا تھا

اُس شعر کو الہام سمجھتا تھا میں

جس پر مخمور سر ہلا دیتا تھا

مجید لاہوری کی یاد میں

(۱)

ہوتے ہیں دوست سب کے اربابِ صفا
مذہب، ملّت کے تفرقوں سے بالا
دہلی میں بھی ہے، فقط کراچی میں نہیں
ماتم برپا مجید لاہوری کا

(۲)

کاٹا ہے شاخِ گُل فشاں کو تُو نے
روندا ہے کِشتِ زعفراں کو تُو نے
اے موت غضب کیا ہے تو نے کتنا
مارا ہے مجیدِ خوش بیاں کو تُو نے

(۳)

سچ ہے کہ بشر ہے بلبلہ پانی کا

انجام فنا ہے ہستیِ فانی کا

افسوس کہ آغوشِ لحد میں ہے آج

خالقِ "گُل شیر خان" و "رمضانی" کا

(۴)

تاراجِ اجل ہوئی جوانی تیری

داغِ دلِ احباب نشانی تیری

بُھولی ہے نہ بُھولے گی کبھی ہم کو مجید

وہ زندہ دلی، وہ گُل فشانی تیری

ماتمِ اختر

پنڈت ہری چند اختر کی وفات پر

(۱)

بچّے ترے بلبلا رہے ہیں اختر
احباب آنسو بہا رہے ہیں اختر
اے کاش ادھر بھی اک نظر کر لیتے
جو تجھ کو اُدھر بلا رہے ہیں اختر

(۲)

شب تھی کہ فنا کی تیرگی تھی، افسوس

جس میں تری آخری گھڑی تھی، افسوس

کل ہی تو ملا تھا ہم سے تو خوش ہو کر

میت تری آج دیکھنی تھی، افسوس

(۳)

بذلہ آرا، ادیب کامل، اختر

خوش طبع و خوش مزاج، خوش دل اختر

دلّی ہے تمام وقفِ افسردہ دلی

محفل سے گیا گرمیٔ محفل اختر

لہ تاریخ وفات یکم جنوری ۱۹۵۶ء تاریخ ملاقات ۳۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

(۴)

محبوبِ دلِ اہلِ وطن تھا اختر

سرمایۂ نازشِ سخن تھا اختر

جھڑتے تھے پھول، جب زباں کھلتی تھی

انساں تھا یا کوئی چمن تھا اختر

(۵)

شاعر بھی، پیکرِ شرافت بھی تھا

اس دور میں مظہرِ آدمیت بھی تھا

رنگینیٔ طبع میں اگر تھا گلِ تر

اخلاقِ حسن میں موجِ نکہت بھی تھا

(۶)

چمکا پنجاب کا دل آرا ہو کر

دلّی نے کہا کہ "رہ ہمارا ہو کر"

ہیہات کہ گرداب فنا میں ڈوبا

اختر صبحِ وطن کا تارا ہو کر

(۷)

"تلخابِ حیات کو پیا ہنس ہنس کر

یوں کرتے ہیں مردانِ گراں ظرف بسر

کانوں میں تیری بذلہ سنجی کی صدا

برسوں گونجے گی اے ہری چند اختر

مولانا ابوالکلام آزاد کے انتقال پر

(فروری ۱۹۵۸ء)

(۱)

کیا حادثۂ شدید پیش آیا ہے
جس نے اہلِ وطن کو تڑپایا ہے
ہے زلزلۂ عظیم آزاد کی موت
جس سے بھارت تمام تھرّایا ہے

(۲)

گو قلبِ صمیم کا ہے حائل نہ ہو
بے طور اُمنڈ آئے ہیں اس کے آنسو
ہمدم، ہمراز، ہم سفر تھا اُس کا
آزاد گیا کہ اُس کا دایاں بازو

(۳)

اُردو کی بڑھائی جس سے تُو نے توقیر
کانوں میں ہے گُونجتی ابھی وہ تقریر
اے آہ، ابوالکلام یہ خاموشی
اُردو کی سو گئی ہے گویا تقدیر

(۴)

(مولانا مرحوم کی برسی پر)

یاد اُس کی منائیں، بھول جائیں جس کو
گر دل میں پائیں، گر نہ پائیں جس کو
ہے یاد ابوالکلام وہ نقشِ حسین
صدیاں سرو چشم پر بٹھائیں جس کو

بیادِ حضرت مولانا عبدالرزّاق مرحوم

(۱)

آزاد کے بعد پھر لُٹی بزمِ حیات

عبدالرزّاق چل دئے جب، ہیہات

پھر وقفِ عزا ہوئی شبستانِ وطن

ہے سانحہ عظیم عالِم کی وفات

(۲)

عالم کی حیات ہے حیاتِ عالَم

عَالِم کی وفات ہے وفاتِ عَالَم

عبدالرزّاق کے گزر جانے سے!

بزمِ ماتم ہے شش جہاتِ عَالَم

(۳)

علّامۂ بے مثال عبدالرّزاق

سرمایۂ حال وقال عبدالرّزاق

افسوس کہ ہو گیا عدم کو راہی

فخرِ فضل وکمال عبدالرّزاق

(۴)

تحریر کے میداں میں وہ جرأت اُس کی

راہِ حق پر وہ اِستقامت اُس کی

آزادی کی جنگ میں دکھائے جوہر

شمشیرِ اصیل تھی صحافت اُس کی

(۵)

خوش خُو و نکو نہاد عبدالرّزّاق

تحریکِ عملِ مُجسّم و خوش اخلاق

جو قرض بہ شکل فرض ہے انساں پر

وہ کر گیا اپنی زندگی میں بیباق

پنڈت وِشنو پرشاد فِداؔ

(پہلی برسی پر)

(۱)

تھے صدق و صفا مایۂ تخمیرِ فداؔ

پُوچھے مرے دل سے کوئی توقیرِ فداؔ

تا ساعتِ آخر یہ رہے گی قائم

ارژنگِ تصوّر میں ہے تصویرِ فداؔ

(۲)

تھی ذاتِ فداؔ پہ آدمیّت نازاں

آمادۂ خدمتِ بشر تھے دل و جاں

اِس مُلک میں شاعروں کی قِلّت تو نہیں

کم تر نظر آتے ہیں فِداؔ سے انساں

(۳)

کب نوبتِ نالہ و فغاں آتی ہے

دل میں اتنی سکت کہاں آتی ہے

چھا جاتا ہے ماتمی خموشی کا سماں

جب یادِ فدائے خوش بیاں آتی ہے

(دوسری برسی پر)

روشن اِک مردِ با صفا کی صورت

رحم و کرم و مہر و وفا کی صورت

دو سال سے گو نظر نہیں آئی، مگر

آنکھوں میں پھرتی ہے فدا کی صورت

(۵)

کیا پوچھتے ہو دلِ حزیں کی روداد

ناشاد ہے یادِ رفتگاں میں ناشاد

اے دورِ زماں کہاں گئے وہ آخر!

اک دوست ہمارے تھے وتشنہ پرشاد

(۶)

کہنا زیبا نہیں ہے فانی اُن کو

کم گرچہ ملی ہو زندگانی اُن کو

مانندِ فدا جو دہرِ فانی ہیں جئیں

ملتی ہے حیاتِ جاودانی اُن کو

بیادِ کیفی

(۱)

بے مثل ادیبِ نکتہ داں تھا کیفیؔ!

قندیلِ رہِ سخن وراں تھا کیفیؔ

اُردو کے ہوا خواہ نہ بھولیں گے اُسے

اُردو کے چمن کا باغباں تھا کیفیؔ

(۲)

رنگیں چمنِ ادب تھی ذاتِ کیفیؔ

سروِ سمنِ ادب تھی ذاتِ کیفیؔ

خلوت میں بھی اُس کی ایک عالم دیکھا

خود انجمنِ ادب تھی ذاتِ کیفیؔ

آہ سالک

(۱)

آیا نہ قرار بے قراری کے بعد
پھر آہ و فغاں ہے اشکباری کے بعد
پنجاب میں پھر بپا ہے ماتم افسوس
سالک کی موت سے بخاری کے بعد

(۲)

محفل آرائی، خوش بیانی نہ رہی

بذلہ سنجی و نکتہ دانی نہ رہی

تاراج خزاں ہوا چمن اُردو کا

سالک کے قلم کی گُل فشانی نہ رہی

(۳)

معلوم نہیں کسی کو کل کیا ہوگا

کیا رنگ حریفانِ ادب کا ہوگا

جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو جائے گا

سالک سا ادیب پھر نہ پیدا ہوگا

حضرتِ جگر مُرادآبادی

(۱)

تقدیر میں ہے بشر کی جینا مرنا
جیتے ہیں آج، کل پڑے گا مرنا
مرنے سے مفر نہیں ہے لیکن اے دل
اک مرگِ عظیم ہے جگر کا مرنا

(۲)

دم جس کا نازشِ غزل تھا، نہ رہا
وجدانِ غزل تھا جو سراپا، نہ رہا
فریاد کناں ہے آج بے کس اُردو
نقشِ ثانیٔ میر و مرزا، نہ رہا

(۳)

پیغامِ محبت جو ہے پیغامِ جگر

ہے اہلِ وطن کے لئے انعامِ جگر

فخرِ ہندوستان جو اہلِ فن ہیں!

اُن میں سب سے بلند ہے نامِ جگر

(۴)

تسکینِ دلِ زار سے گریزاں ہے آج

بزمِ مہر و وفا پریشاں ہے آج

یہ مرگِ جگر ہے یا محبت کی موت

نالاں ہے عشق حُسن گریاں ہے آج

(۵)

جو لوگ حقیقت آشنا ہوتے ہیں

مانندِ جگر سب سے جُدا ہوتے ہیں

محروم جگر کو ہم نے بھی دیکھا ہے

کم ایسے رندِ پارسا ہوتے ہیں

(۶)

محفل سے اُٹھا صاحبِ آدابِ غزل

افسوس کہ ٹُوٹا دلِ بے تابِ غزل

اے میکدۂ سخن میں آنے والو!

چھلکا ہے جامِ بادۂ نابِ غزل

(۷)

اُلفت کو بسا کے تن بدن میں، جاں میں

اُلجھا نہ کبھی تمیزِ این و آں میں

گو دیر و حرم سے تھی الگ ذاتِ جگر

سب روتے ہیں اُس کو ہند و پاکستاں میں

(۸)

شاعر ہے کوئی عزیزِ دلہائے عوام

اور بزمِ خواص میں کسی کا ہے مقام

قدرت نے جگر کو یہ فضیلت بخشی

مقبولِ خاص و عام ہے اُس کا کلام

(۹)

سالک ہے وہی جو منزلوں پر چھا جائے

واعظ ہے وہی جو محفلوں پر چھا جائے

شاعر ہے وہی علی سکندر کی طرح

جو ساری قوم کے دلوں پر چھا جائے

(۱۰)

تھی جانِ سخن جو ذات، تجھ میں نہ رہی

وہ تازگیِ حیات تجھ میں نہ رہی

اے بزمِ سخن، جگر کی خاموشی سے

وہ دور گیا، وہ بات تجھ میں نہ رہی

انتقالِ حاجی لق لق

جینا مبہم ہے اور مرنا برحق

گنجائشِ شک اس میں نہیں ہے مطلق

پھر بھی محروم دل کو پاتا ہوں میں

محوِ غمِ ارتحالِ حاجی لق لق

ماتمِ شہید

(منوہر لال شہید علی پوری کی موت پر)

(۱)

وہ شاعرِ باعمل، نِکو نام و سعید

دُنیائے سخن میں نام تھا جس کا شہید

دُنیا سے اُٹھا تو شہرِ سُونی پت میں

جُز نالۂ غم نہ تھی کوئی گفت و شنید

(۲)

شاعر کم باعمل ہوا کرتے ہیں

موزوں باتیں ہی وہ کیا کرتے ہیں

ہر دو عالم میں سُرخرو ہوتے ہیں

مانندِ شہید جو جیا کرتے ہیں

(۳)

موجود ہیں بے شمار دولت والے

کم یاب نہیں ہیں شان و شوکت والے

دیکھے ہیں کم شہیدؔ ایسے انساں

حُسنِ عمل و حُسنِ طبیعت والے

انتقال حضرتِ امجد حیدرآبادی

(۱)

کیوں صبحِ وطن ہے مثلِ شامِ حرماں
کیوں شعر و ادب ہیں آج فریاد کناں
آؤ آؤ کہ پھر نہ دیکھو گے اسے
امجد کا جنازہ سُوئے مرقد ہے رواں

(۲)

باباطاہر رہا نہ سرمد باقی

لیکن ہے اُن کی یادِ واسعد باقی

امجد کا نام بھی رہے گا قائم

جب تک ہیں رباعیاتِ امجد باقی

(۳)

وہ شاعرِ یادگارِ تہذیبِ کہن

امجد بھی ہوا مقیمِ گنجِ مدفن

امجد کے نام پر رہے گا نازاں

تا روزِ شمار حیدرآبادِ دکن

ڈاکٹر سیّد محی الدّین قادری زورؔ کے انتقال پر

(۱)

اے موت، بڑا غضب یہ ڈھایا تُو نے
دیکھا بھی ہے؟ کیا سماں دکھایا تُو نے
کشمیر سے تا دکن ہے ماتم کس کا
کیوں زورؔ کو دُنیا سے اُٹھایا تُو نے

(۲)

پھر کون سرافراز سُوئے گور گیا؟

ماتم کا جو اَوجِ عرش تک شور گیا

افسوس، افسوس، صد ہزاراں افسوس

بزمِ ہستی سے ناگہاں زورؔ گیا

(۳)

اپنا اک مہربانِ مُخلص تھا زورؔ

تھا پیکرِ دل نشین شرافت کا زورؔ

اے کاش کوئی اسے نہ مرنے دیتا

تقدیر پہ چلتا ہے کسی کا کیا زور

(۴)

سب اہلِ وطن وطن میں روتے ہیں تجھے

شہر و دشت و دمن میں روتے ہیں تجھے

تُو گلشنِ کشمیر سے بُو ہو کے اُڑا

احباب ترے دکن میں روتے ہیں تجھے

(۵)

کشمیر کو جاتے ہیں سیاحت کے لئے

یا دفعِ مرض، حصولِ صحّت کے لئے

اے نودریہ کیا کرے گئی تجھ کو قضا

کشمیر میں آہ! مرگِ غربت کے لئے

ماتمِ نہرو

(پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات حسرت آیات پر)

مئی ۱۹۶۴ء

(۱)

طاری ہے دیارِ ہند پر عالمِ یاس
گریاں گنگ و جمن ہمالہ ہے اُداس
قسمت میں وطن کی کیا لکھا ہے یارب
نہرو بھی گیا گاندھی و آزاد کے پاس

(۲)

کس کا ماتم ہے آج دُنیا بھر میں

محشر ہے بپا خلا و بحر و بر میں

ہر دِل میں بنا لیا تھا گھر نہرُو نے

غم اس کا نہ کیوں ہو ہر اک گھر میں

(۳)

شہر و صحرا میں سوگ نہرُو کا ہے

دشت و دریا میں سوگ نہرُو کا ہے

ساری دُنیا کا بس کہ تھا وہ غم خوار

ساری دُنیا میں سوگ نہرُو کا ہے

(۴)

فخرِ وطن و نازشِ دُنیا نہرُو

محبُوبِ جہاں، عزیزِ دلہا نہرُو

اے موت، ابھی ضرورت اِس کی تھی بہت

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا نہرُو

(۵)

ہیہات، گیا قافلہ سالارِ وطن

وہ راہبرِ منزلِ دشوارِ وطن

وہ ہاتھ کہاں ہیں جو اِسے لہرائیں

حیرت میں ہے پرچمِ نگوں سارِ وطن

(۶)

ہو، دیکھئے کیا رنگِ جہاں تیرے بعد

دکھلاتا ہے کیا دورِ زماں تیرے بعد

ہے کون جسے کہے گی ساری دُنیا

پیغامبرِ امن و اماں تیرے بعد

(۷)

نہرو کے نام سے تھی توقیرِ وطن

محنت سے بنا رہا تھا تقدیرِ وطن

افسوس صد افسوس مصوّر نہ رہا

تکمیل کی طالب رہی تصویرِ وطن

(۸)

خونِنابہ فشاں ہے چشمِ نمناکِ وطن

مصروفِ فغاں ہے دلِ صد چاکِ وطن

نہرو کی خاکِ پاک جب اِس میں ملی

سرمایۂ تقدیس ہوئی خاکِ وطن

(۹)

نہرو ہر چند دارِ فانی میں نہیں

ہے سوگ میں اُس کے صفِ ماتم یہ زمیں

محبوب تھی اتنی ذاتِ دلکش اُس کی

آتا نہیں اب تک اُس کے مرنے کا یقیں

(۱۰)

جب تک کرۂ ارض پہ انساں ہوں گے
نہرو کی یاد کے بھی ساماں ہوں گے
مشرق مغرب سے اہلِ دل آ آکر
نہرو کی سمادھی پہ گُل افشاں ہوں گے

واقعات و تقریبات

حسرت موہانی اور قیدِ فرنگ

(۱)

اے زندہ شہید، حسرتِ موہانی

سرکار نے کر دیا تجھے زِندانی

لیکن اہلِ وطن کی نظروں میں تُو

محبوب ہے مثلِ یُوسفِ کِنعانی

(۲)

کتنی تری طبعِ نکتہ رس رنگیں ہے

رنگینیِ طبع سے نفس رنگیں ہے

بلبل تو ہے وہ گلشنِ معنی کا

نغموں سے ترے ترا قفس رنگیں ہے

(۳)

حاصل ذوقِ ثبات کا ہو جانا

کلفت میں مسرّت آشنا ہو جانا

ہے طبعِ شگفتہ کا نرالا اعجاز

زنداں میں ترا غزل سرا ہو جانا

(۴)

پھر قیدِ فرنگ کا زمانہ آیا

آزادی کی رہ میں قیدخانہ آیا

زِنداں میں سُنی جو بیڑیوں کی جھنکار

لب پر تِرے عشق کا ترانہ آیا

(۵)

کب نغمۂ دل نواز زِنداں میں رہا

یا نالۂ جاں گداز زنداں میں رہا

چرچا اِس بات کا رہے گا برسوں

حسرتؔ سا سخن طراز زِنداں میں رہا

بہ مقامِ دہلی

۱۹۱۶ء میں مکرمی منشی مہاراج بہادر برقؔ مرحوم سے ملنے دہلی آیا تو حضرات مہرؔ، رونقؔ، کیفیؔ[1]، وفاؔ وغیرہ سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا۔ پھر ۱۹۴۱ء میں دہلی آیا تو یہ تمام حضرات انتقال فرما چکے تھے۔ (محروم)

(۱)

پچّیس برس کے بعد آیا دہلی
دیکھی بدلی ہوئی سراپا دہلی
رونقؔ ہے نہ برقؔ ہے نہ ہیں مہرؔ و وفاؔ
آتی ہے نظر مثالِ صحرا دہلی

[1] منشی چندر بھان کیفیؔ

(۲)

رہتے تھے کبھی مہر و وفا دہلی میں
تھا جلوۂ برق رونما دہلی میں
کیفی کے بغیر یہ فضا ہے بے کیف
رونق جو نہیں تو کیا رہا دہلی میں

(۳)

تیغ غم رفتگاں کا ہوں سینہ فگار
حیران کھڑا ہوا سر راہگذار
اے جلوۂ برق تو کہاں ہے روپوش
دہلی نظر آتی ہے مجھے تیرہ و تار

(۴)

شاہوں کا مقامِ استراحت ہے یہ

یا صُبحِ وطن کی شامِ غُربت ہے یہ

آثارِ قدیمہ[1] اس کو تم کہتے ہو

بکھری ہوئی داستانِ عبرت ہے یہ

[1] آثارِ قدیمہ دہلی

مولانا تاجور نجیب آبادی

کو

مبارک باد

(۱)

اعزازِ فلک نشاں مبارک ہو تجھے
توقیر کا آسماں مبارک ہو تجھے
شمس العلماء کا یہ خطابِ عالی؛
احسان اللہ خاں مبارک ہو تجھے

(۴)

اے تاجورِ مملکتِ شعر و سخن!

ہے ذات تری علم و ادب کا مخزن

زیبا ہے ترے لئے، مبارک ہو تجھے

شمس العلماء کا یہ خطابِ روشن

قحطِ بنگال

۱۹۴۳ء

(۱)

یہ قحط نہیں قہرِ خدا ہے کوئی
نیرنگِ مظالمِ قضا ہے کوئی
سرسبز ہیں کھیت منڈیاں ہیں بھرپور
یہ قحط نہیں اور بلا ہے کوئی

(۲)

کٹواتے ہیں سر جا کے جو یلغاروں میں
لکھواتے ہیں نام اپنا وہ سرداروں میں
آتے ہیں کس شمار میں وہ بے کس
جو بھوک سے مر جاتے ہیں بازاروں میں

(۳)

ہوتے ہیں کہیں ضیافتوں کے ساماں
انواعِ نعم سے جگمگاتے ہیں خواں
دم توڑتے ہیں کہیں بچارے بھوکے
فریاد کناں برائے یک لقمۂ ناں

سال گرہ آزادی

(۱)

ساعت پسِ مدت آئی ہے شادی کی
منزل پیشِ نظر ہے آبادی کی
یارب تا حشر واپس آئے ہر سال
یہ سال گرہ وطن کی آزادی کی

(۲)

آزاد ہوا وطن، مُبارک اے دِل

ہو گا رشکِ چمن، مُبارک اے دِل

دھو ڈالی ہے بارانِ کرم نے یک سر

گردِ رنج و محن، مُبارک اے دل

(۳)

دِل مُنتظر اب بہارِ رنگیں کا ہے

ہنگامِ شگفتنِ گُل و نسریں کا ہے

اے باغ کے خوش نواؤ، آؤ چہکو

صیّاد کا ڈر نہ خوف گلچیں کا ہے

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی

اٹھاسیویں سال گرہ پر

ناظم ہیں عاشقِ کلامِ کیفی

ناثر ہیں پیرو نظامِ کیفی

ایوانِ ادب کا ہے یہ معمارِ عظیم

نقشِ درو دیوار ہے نامِ کیفی

بتقریبِ یومِ شہیدانِ سرحد

جو ظلم کبھی نہ دہرِ فانی میں ہُوا
انگریز کے دورِ حکمرانی میں ہُوا
ہے جور و ستم کی داستانوں کا نچوڑ
جو کچھ بازارِ قصّہ خوانی میں ہُوا

○

اہلِ صدق و صفا ہیں مجبور اب تک

دَورِ کذب و ریا رہے گا کب تک؟

آزادیٔ ہند کے نہیں ہم قائل!

عبدالغفّار خاں ہے قیدی جب تک

○

ہے دردِ وطن تلاشِ درماں میں ابھی

اے شافیٔ غم کسر ہے احساں میں ابھی

آزاد وطن ہوا تو کیا خاک ہوا

عبدالغفّار خاں ہے زنداں میں ابھی

پنڈت جواہر لال نہرو

(بتقریب سال گرہ)

در صنعتِ توشیح

(۱)

(پ) پنڈت جی کا بھی کیا مُبارک ہے نام

(ن) نامی جس سے ہوا ہے یہ مُلک تمام

(ڈ) ڈالا ہے ذرا میں نے طبیعت پر زور

(ت) توشیح کی صنعت سے نکالا ہے کام

(۲)

(ج) جب مُلک ہمارا تھا غُلامی کا اسیر

(و) وہ دَورِ زبوں تھا دَورِ طوق و زنجیر

(ا) آزاد ہوئے توسعیِ پیہم کے طفیل

(ہ) ہر ملک میں بڑھ گئی ہماری توقیر

(۳)

(ر) رفتارِ ترقّیِ وطن تیز ہوئی

(ل) لاریب یہ صورت طرب انگیز ہوئی

(ا) امنِ عالم کی منزلِ اوّل پر

(ل) لو شمعِ امیّد کی ضیا ریز ہوئی

(۴)

(ن) ناداں ہے جو منکر ترے اوصاف سے ہے

(ہ) ہر ملک ترا ثنا گر انصاف سے ہے

(ر) رخشندہ جو آج نامِ نامی ہے ترا

(و) واللہ کہ اللہ کے الطاف سے ہے

وزارت

سنہ ۱۹۴۰ء میں جب کانگریس نے وزارتوں پر
لات ماری تو ہر پارٹی اُن پر ٹوٹ پڑی۔

ہر پارٹی ہے وزارتوں کی بھوکی

اُن پر ہے نگاہ مُسلم و ہندو کی

اب یاد نہیں رہا کسی کو کہ یہ چیز

یک سر ہے وہی جو کانگرس نے تھوکی

تیج دہلی کی سلور جوبلی

سنہ ۱۹۴۸ء

(۱)

پرجا سے بہت ملی مبارک تجھ کو

راجہ[1] نے بھی دی دلی مُبارک تجھ کو

القصّہ ہر اک طرف سے آئی یہ صدا

اے تیج ہو جوبلی مُبارک تجھ کو

[1] راج گوپال آچاریہ

(۱۲)

کیا جشنِ سعید "تیج" کے ہاں آیا

آیا جو بھی وہ شاد و فرحاں آیا

اُس بزم کی منزلت کو دیکھے کوئی

مہر و خود جس میں بن کے مہماں آیا

(۱۳)

ہے "تیج" کی جوبلی کا جشنِ رنگیں

دلّی کی فضائیں ہیں مسرّت آگیں

پُورے کیے اپنی عُمر کے آج اس نے

پچیس[۲۵] برس بصد وقار و تمکیں

(۴)

احرارِ وطن نے خونِ دل پی پی کے

جوہر دکھلائے ہیں جواں مردی کے

"تیغ" اپنے جشنِ جوبلی پر پہنچے

عزمِ راسخ سے دیش بندھو جی کے

(۵)

اک جشنِ دل افزا کی مچی دھوم ہے آج

راحت موجود، رنج معدوم ہے آج

ہے بہرہ ورِ مسرتِ بے پایاں

محروم برائے نام محروم ہے آج

القابِ شاہی میں کمی واقع ہونے پر

سنہ ۱۹۴۸ء

انگریز کے اقبال میں آیا جو زوال

کم تر ہوئے القابِ شہِ فرّخ فال

ہونی تھی یہی بات کہ قیمت میں ہیں ایک

از روئے حروف ہر دو القابِ اِقبال

جوشؔ ملیح آبادی

(ترکِ ہندوستان سے پہلے کا واقعہ)

جم کر وہ کراچی میں جو جا بیٹھے ہیں

کیوں اپنے وطن سے دِل اُٹھا بیٹھے ہیں

اتنا کوئی جا کے جوشؔ صاحب سے کہے

دلّی کو دل سے کیوں بُھلا بیٹھے ہیں

ہمدرد دواخانہ

یہ رُباعی ہمدرد دواخانہ کے مشاعرہ منعقدہ ۱۵ مارچ ۵۷ء
میں فی البدیہہ موزوں ہوئی اور مشاعرے میں سنائی گئی۔

ساقی کے بغیر بزمِ رندانہ کیا
صہبا جس میں نہ ہو وہ پیمانہ کیا
جس دل میں نہ ہو درد وہ دل بھی کیسا
ہمدرد اگر نہ ہو دواخانہ کیا

تولیدِ پسر پر مبارک باد

اللہ نے ساغرؔ کو پسر بخشا ہے

گوہر پرداز کو گوہر بخشا ہے

بخشش پہ تری نثار اے ربِّ کریم

دے عمر طویل اس کو اگر بخشا ہے

لہ جناب ساغرؔ نظامی

منشی گوپی ناتھ امنؔ کے وزیر منتخب ہونے پر

دہلی ہو افتخارِ بھارت یارب!

مفقود یہاں ہو ہر شرارت یارب!

عدل و انصاف و راستی کا ہو دَور

مسعود ہو امنؔ کی وزارت یارب!

رُوسی سیّارہ

(۱)

سائنس کا اک اور شرارا چمکا
دنیا میں رُوس کا ستارا چمکا
خوش ہو گی جہاں بھی ہو گی رُوحِ نخشب
نام اُس کا جہان میں دوبارا چمکا

(۲)

وجدان سے ہو گیا ہے انساں محروم
لے جائے اسے علم کہاں، کیا معلوم
حیرت افزا نہیں ہیں قدرت کے نجوم
اک کوکبِ مصنوع کی دُنیا میں ہے دُھوم

چینی دست درازی

سنہ ۱۹۵۹ء

(۱)

لدّاخ پہ جو سُرخ گھٹا چھائی ہے

چرخِ نیلی کی فتنہ آرائی ہے

اے اہلِ وطن علاج اِس کا سوچو

خوں رنگ و بلا جبینِ چین سے آئی ہے

(۲)

پندارِ منافقت کو حکمت سمجھا

جبر و جور و جفا کو جُرأت سمجھا

ہے وقت کہ ہم چین کو چیں بلوا دیں

شاید ہندوستاں کو تبّت سمجھا

(۳)

کچھ دیر میں عزمِ چین کو بھارت سمجھا

وہ اس کی اہنسا کو ہزیمت سمجھا

ٹکرا کے ہمالیہ سے ہوگا باہوش

بھارت کو وہ ہرزہ کوش تربّیت سمجھا

(۴)

دیتا ہے اہلِ امن کو ایذا کیوں

لدّاخ پہ یہ تصرّفِ بے جا کیوں

اے چین کے صدرِ ملحد و پیکرِ غدر

محشر کرتا ہے شرق میں برپا کیوں

(۵)

آپس کے تفرقوں میں طاقت نہ گنواؤ

فی الحال نظر شمال مشرق پہ اُٹھاؤ

خطرے میں ہے مادرِ وطن کی عزّت

غیرت مند سپُوت بن کر دِکھلاؤ

(۶)

کام آؤ وطن کے کامرانی ہے یہی

قرباں ہو وطن پہ زندگانی ہے یہی

جاں اپنے وطن کی آن پر دے دینا

مردانِ دلیر کی نشانی ہے یہی

مُبارک باد

مسعود ہو مجمعِ عزیزاں یارب

شادی کے مُبارک ہوں یہ ساماں یارب

اپنی ہے یہی دعا نئے گھر میں رہے

لختِ جگرِ سُرور شاداں یارب

لہ پروفیسر آلِ احمد سرور

لالہ شام ناتھ دہلوی

(اُردو کے خاموش کارکن)

ہیں لالہ شام ناتھ وہ مردِ سعید
وابستہ ہے جن سے اہلِ دہلی کی اُمید
دہلی کے میئر ہوئے تو احساں کس کا
اتنا ہی تو ہے کہ حق بہ حقدار رسید

مشاعرۂ حیدرآباد (دکن)

۱۳ جنوری ۱۹۶۱ء

محرومؔ کبھی نہ زعمِ بےجا کرنا
دعویٰ ہرگز نہ شاعری کا کرنا
امجدؔ کے شہر میں رباعی پڑھنا
ہے جرعۂ آب نذرِ دریا کرنا

○

حیدرآباد

محرومؔ یہاں آ کے ہوا شاد بہت
آئے گا یہ بلدۂ حسیں یاد بہت
افسوس یہ ہے کہ اپنی پیری ہے اور
دلّی سے ہے دور حیدرآباد بہت

بتقریب جشنِ امجد

اے نازشِ جوہرِ رباعی امجد

لعلِ سرِ افسرِ رباعی امجد

ہے چار سوئے ہند میں شہرت تیری

اے خسروِ کشورِ رباعی امجد

مارچ ۱۹۶۲ء میں پنجاب گورنمنٹ نے مصنّف کی عزّت افزائی کی۔ اِسی سلسلہ میں گورنمنٹ ایمپلائنز ایسوسی ایشن اور بزمِ سخن موتی باغ نے زیرِ صدارت شری مہر چند کھنّہ متحدّہ پبلک جلسہ منعقد کر کے مصنّف کو سپاسناموں سے نوازا۔

(۱)

احباب نے یہ جو عزّت افزائی کی
تکلیف اُٹھا کے جلسہ آرائی کی
میں گوشہ نشیں کہاں، کہاں یہ اعزاز
نادم ہُوں، قسم ہے کُنجِ تنہائی کی

(۲)

ہر چند زمینِ شعر کا بُت گر ہُوں

شاہد ہے خدا کہ ذرے سے کم تر ہوں

مجھ ہیچ مداں پہ یہ کرم فرمائی

ممنونِ عزیزانِ سُخن پرور ہوں

(۳)

کم ہوتے ہیں خوش صاحبِ فن جیتے جی

ناقدری کا رہتا ہے محن جیتے جی

تھا کتنا خوش نصیب شاعر محروم

احباب نے کی قدرِ سخن جیتے جی

مندرجہ بالا تقریب میں

دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کا جلسہ

دُنیائے کمال فضل یہ دارِ علوم

اقصائے جہاں میں آج جس کی ہے دھوم

خود دادِ سخنوری تجھے دیتا ہے

آداب بجا لاؤ ادب سے محرومؔ

پدم بھوشن

علامہ نیاز فتح پوری اور نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی
کو خطاب "پدم بھوشن" ملنے پر

ہے علم و کمال فضل نازاں جن پر
دورِ حاضر میں ہیں نیاز اور اثر
زیبا ہے انھیں خطابِ پدما بھوشن
ذات ان کی ہے شاہدِ ادب کا زیور

سر اقبال اور ڈاکٹر سر نارنگ

(لاہور میں یوم اقبال کے جلسے میں)

اقبال کی شاعری کا جب ذکر چھڑا

نارنگ نے یوں از رہِ تنقید کہا

ہر چند چراغِ درِ مسجد ہے یہ

تا رہ گذرِ عام بھی ہے اس کی ضیا

آنریبل ڈاکٹر گوپالا ریڈی

(بہ تقریب استقبالیہ)

ہے نازشِ علم و فن گوپالا ریڈی
محبوبِ دلِ وطن گوپالا ریڈی
برتر یارب، ریاضِ عالم میں رہے
مثلِ سروِ چمن گوپالا ریڈی

مُتَفَرِّقَات

راولپنڈی

۱۹۳۳ء

(۱)

نظّارۂ سرو سمن اِس شہر میں ہے
بُوٹا سا ہر اِک گلبدن اِس شہر میں ہے
یہ شہر بسا ہوا چمن میں ہے، یا
خاصیّتِ خاکِ چمن اِس شہر میں ہے

(۲)

ہر گام پہ ہے راہزنِ جاں کوئی
ہر بام پہ ہے دشمنِ ایماں کوئی
اِس شہر میں آ کے میں تو دیوانہ ہوا
راولپنڈی ہے یا پرستاں کوئی

(ستمبر ۱۹۴۷ء میں)

راولپنڈی کو اے بسانے والو!

جنّت اِس شہر کو بنانے والو!

ویرانی دیکھ جاؤ اِس کی آ کر

راولپنڈی کو چھوڑ جانے والو!

○

گلیاں برباد اور کُوچے ویراں

دہشت زدہ چوک اور سڑکیں سنساں

خاموش مکانوں کے دریچے دیکھو

جیسے کسی غم زدہ کی چشمِ حیراں

راولپنڈی سے روانگی

(۲۰-اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء)

آج اپنے وطن سے جا رہا ہے محروم
مامن پیشِ نظر نہ منزل معلوم
ہنگامِ وداع ہم نے دیکھا اُس کو
حسرت زدہ، دل شکستہ، حیراں، مغموم

جالندھر میں

نومبر ۱۹۴۷ء

ہم رہتے تھے آرام سے اپنے گھر میں
اب گردشِ ایّام سے ہیں چکّر میں

لاہور میں جا بلی، نہ امرت سر میں
پھرتے ہیں کس مپرس جالندھر میں

بازدیدِ وطن

نومبر ۱۹۵۳ء میں مصنف کو راولپنڈی جانے کا
اتفاق ہوا۔ یہ رُباعیات اسی سفر کی یادگار ہیں

پھر اپنے وطن کی ہے فضا پیشِ نظر
اک عالمِ نو ہے جا بجا پیشِ نظر
گزری ہوئی عُمر پھر پلٹ کر آئی
نیرنگِ طلسمات ہے یا پیشِ نظر

○

جاں وقفِ الم ہے اور فرحاں بھی ہے

دل مائلِ تسکیں بھی پریشاں بھی ہے

راولپنڈی میں آ کے محرومِ حزیں

فریاد کناں بھی ہے غزل خواں بھی ہے

○

اے صبحِ وطن تری صباحت ہے اور

رقصاں ہر اک کرن میں طلعت ہے اور

نظارے سے تیرے آج معلوم ہوا

صبحِ وطن اور صبحِ غربت ہے اور

○

اے شامِ وطن تیری ملاحت ہے اور

دامن میں ترے سکونِ راحت ہے اور

دیکھا تجھے اور دل سے آواز آئی

شامِ وطن اور، شامِ غربت ہے اور

○

جو حسرتِ دید تھی، خلش گر ہیں ہم

نکلی دلِ بیتاب سے، لیکن کم کم

جیتے ہیں تو پھر بھی عزیزانِ وطن

جاتے ہیں، مسافرانہ آئے تھے ہم

برسات اور مہاجر

دُنیا کے لئے ہے راحتِ جاں برسات

پیغامِ نشاط، عیش ساماں برسات

خانہ برباد، بدنصیبوں کے لئے!

لے آئی ہے اشکِ غم کا طوفاں برسات

○

ایسا ہی کچھ اِنتظامِ دُنیا کا ہے
مظلوم پہ ظُلم پے بہ پے ہوتا ہے
جھڑیاں بادل کی خانۂ وِیرانوں پر
بالائے سِتم سِتم نہیں تو کیا ہے

○

بن کر عاشق کا دیدۂ تر برسو!
چاہو تو شب و روز برابر برسو
بے سقف و در و بام پڑے ہیں جو یہاں
دیکھو اے بادلو! نہ اُن پر برسو

گیتا

(۱)

ہے سلکِ جواہرِ معانی گیتا

سازِ نغماتِ آسمانی گیتا

ہے غم زدگانِ عالمِ فانی کو

پیغامِ حیاتِ جاودانی گیتا

(۲)

عُریاں گیتا سے رازِ دہرِ فانی

لمعاں گیتا سے عالمِ پنہانی

تھی لذتِ روح نے نوازی جس کی

گیتا ہے اُسی کا نغمۂ روحانی

(۳)

محروم اگرچہ خوش بیانوں میں نہیں

ہرزہ گویوں میں ہرزہ خوانوں میں نہیں

ہندو کی نجات ہے تو گیتا میں ہے

محمود و ایاز کے فسانوں میں نہیں

گندم کی کمیابی پر

ہرگز نہیں دُور ہیں نگاہِ انساں
روشن تقدیر پر ہے راہِ انساں
تقدیر نے گندم کو کیا ہے کمیاب
گندم تھی باعثِ گناہِ انساں

یادگارِ جنگ

چشمِ عشّاق سے فزوں تر برسو

جی بھر کر روز و شب برابر برسو

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ پیکار یہاں

برسو اے بادلو! زمیں پر برسو

جنگ باز

دوسری جنگِ عظیم میں مہاتما گاندھی نے لڑائی بند کرانے کی
کوشش کی۔ جنگ بازوں نے اِس کی مخالفت کی

گاندھی جی لڑائی کو بُرا کہتے ہیں

ظاہر ہے بُرائی کو بُرا کہتے ہیں

حیرت ہے تو اُن کی عقل پر ہے جو لوگ

دُنیا کی بھلائی کو بُرا کہتے ہیں

ہٹلر اور فرعون

فرعون جہاں میں آج تک رُسوا ہے

ہٹلر اُس سے مگر سوا نکلا ہے

اُس نے تو خدائی کا کیا تھا دعویٰ

شوق اِس کو خدائی پر حکومت کا ہے

قوّتِ ایجاد

(دوسری عالم گیر جنگ کی یادگار)

معمور جہاں نالہ و فریاد سے ہے

محشر کا ظہور بم کی اُفتاد سے ہے

جس قوّتِ ایجاد پہ نازاں تھا بشر

برباد اُسی قوّتِ ایجاد سے ہے

بھکر ضلع میانوالی میں مشاعرہ

جس دشت میں گرد باد تھے چکر میں

ٹیلے اُڑتے تھے ریت کے خنجر میں

نغموں کا چمن ہوا وہ صحرا کیوں کر

سُنتے ہیں مشاعرہ ہوا بھکر میں

حاجی لَق لَق کے نام

(اُن کے ایک خط کے جواب میں)

کیا لینا اب وطن سے اور کیا دینا
یاد اُس کو ہے اپنے دل کو تڑپا دینا
لاہور سے جب تم اے کُلشگو گزرو
لَق لَق کو مرا سلام پہنچا دینا

دُعا

دُنیا میں سعادت ہو میسّر تجھ کو
رکھے محفوظ ذاتِ برتر تجھ کو
اے نورِ نظر٭، دُعا یہی ہے میری
حاصل ہو فروغِ ماہ و اختر تجھ کو

٭ فرزندِ مصنف علیہ الرحمۃ